لداخ کے
قوس قزاح

حمید اللہ حمید

نام کتاب : لداخ کے قوس قزاح

مصنف : حمید اللہ حمیدؔ

صفحات : 192

تعداد : 1000

کمپیوٹر کتابت : **TFCسنٹر**،

مدینہ چوک گاؤ کدل سرینگر#2473818

سال اشاعت : 2017ء

ناشر : شاندار پبلیکیشنز اینڈ پروڈکشنز سرینگر، پلوامہ

قیمت 250روپے

□□□

کتاب ملنے کا پتہ

- گلشن پبلشرز ریذیڈنسی روڑ سرینگر
- کتاب گھر متصل گورنمنٹ پریس بلڈنگ سرینگر
- بڈشاہ نیوز ایجنسی، لال چوک سرینگر
- نسیم بک ڈپو، پلوامہ کشمیر
- پرکاش سیلز ایجنسی لیہہ لداخ
- لینگ بک شاپ لیہہ لداخ
- شاندار بک سٹال، کرگل

❖

مٹا کر اپنی ہستی کو چمن گُلزار کر ڈالا
زمانے کو یہی پیغام دینا چاہتا ہوں

(راز صابری)

❖

اِنتساب

اُن ہم سفروں کے نام
جن کے ساتھ پردیس کے خوشگوار ماحول
میں پُرسکون برس گذار کر گہری چھاپ چھوڑ دی۔

حمیدؔ اللہ حمیدؔ
(مصنف)

❖

وطن کے قوس قزاح دیکھنے کو ہوں بے قرار
رنگین کوہساروں میں میری جبین ہنسنے لگے

(ح۔ا۔ح)



ہمالہ نظم کا آخری بند



اے ہمالہ! داستان اُس وقت کی کوئی سُنا
مسکن آبائے اِنسان جب بنا دامن ترا

کُچھ بتا اُس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا
داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلّف کا نہ تھا

ہا دکھا دے اے تصوّر! پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ اِیام تو

(دانائے راز مفکر شاعر مشرق ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ)





اپنا وقت دوسروں کی تحریروں کے مطالعے سے اپنی لیاقت بڑھانے میں صرف کرو۔ اس طرح تم اِن چیزوں کو آسان سے حاصل کرسکو گے جن کے حاصل کرنے میں دوسروں کو محنّت شاقہ کرنا پڑتی ہے۔

(سقراطؔ)



جس طرح درخت تدریج کے ساتھ اُگتا ہے اسی طرح اِنسانی زندگی حالات تدریج سے دُرست ہوتے ہیں۔ زندگی کی تعمیر کے لئے پہلے قدرت کے تدریجی قانون کو جاننے اور اس کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے اپنا سفر شروع کیجئے۔ اِس دُنیا میں کامیابی کا یہی راستہ ہے۔

(مولانا وحید الدین)



فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
❖	پہلی بات	09
❖	معروف ادیب عبدالرحمان فدا کے تاثرات	10
❖	رضا کاردوست کی رائے	11
❖	کلام ڈاکٹر سر محمد اقبال	12
❖	دیباچہ	14
❖	مختصر آپ بیتی	16
❖	سندھو درشن پر وزیر اعلیٰ مفتی سعید کی تقریر	18
❖	وادی نیوما کے خدوخال	20
❖	موم کا پتھر	33
❖	سب ڈویژن چنگ تھنگ ایک نظر میں	36
❖	ضلع لیہہ کے متعلق کچھ جانکاری	42
❖	کشمیری نظم آزاد	43
❖	Changing Development Nymo	44
❖	عیدالفطر۔خوشی اور امن بانٹنے کا تہوار	48

❖	انلے لداخ کی کھلی وادی	51
❖	نیما بلاک کا تعلیمی دورہ	54
❖	ژھاگہ سرحد پر خطاب	61
❖	صمدو کی سیر	63
❖	کوئیول۔سرحد چین پر اہم گاؤں	71
❖	لداخی زبان	76
❖	لداخ کی اہمیت اور جانکاری	82
❖	اقسام اراضی لداخ	87
❖	لداخ میں اسلام ایک نظر میں	89
❖	وادئ نیوما	95
❖	اُبلتے گرم چشموں کی آماجگاہ	97
❖	فلم حقیقت اور لداخ	101
❖	لداخی کلینڈر	103
❖	لداخی عورت کا بدلتا روپ	107
❖	گاؤں چھچھوت کی اہمیت	116
❖	ریاست جموں وکشمیر ایک نظر میں	121
❖	چودھری ضیاء کو خط	123
❖	مختار نحوی کو خط	125

❖	حضرت انسان	128
❖	درد بھرا فلمی نغمہ	129
❖	مخدوم محی الدین کی غزل	131
❖	غزل: شہریار	133
❖	غزل: حیرت شملوی	134
❖	غزل: غلام نبی ظہور	135
❖	فلمی اداکار وجے آنند سے لیا گیا انٹرویو	137
❖	مہاتما گوتم بدھ کی شخصیت اور تعلیم کا اثر	144
❖	Money makes the world go round	150
❖	11th IALS Collocauiom	156
❖	کشمیر سے لداخ تک قدیم راستے	162
❖	سرینگر سے لداخ کا سفر	165
❖	سرینگر سے روانگی	167
❖	لداخ دی مون لینڈ	173
❖	قوس وقزاح کے خدولی۔رشید صدیقی	182
❖	مولانا محمد عمر لداخی کی رائے	183
❖	مصنف کا مختصر تعارف	184
❖	لداخ تصاویر کے روپ میں	186

پہلی بات

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کہ قوس قزاح تیار ہوگئی۔ اگرچہ قلمی کتاب کو لداخ میں ہی دوران سرکاری ڈیوٹی تیار کیا تھا اور آج ترتیب وتدوین عمل میں آئی۔ باقی اصحاب کے کچھ مضامین اور شعراء کے کلام کو اس کتاب میں جمع کرنا اس لئے موزون سمجھا کہ ان کی مناسبت اس پہاڑی دیش سے لگتی ہے۔

لداخ کے قوس قزاح، کٹھن، سفر، زندگی اور رہن سہن کے ساتھ جغرافیائی خدوخال کی عکاسی کرتی ہے۔ لداخی زندگی کو راقم نے قریب سے دیکھا، پرکھا اور جانچا۔ سیدھی سادھی زندگی کا کیا کہنا۔ کٹھن حالات اور دُور افتادگی کو وہی جانتے ہیں جن کو واسطہ پڑتا ہو۔

اُن لداخی اصحاب کا ممنون ہوں جنہوں نے دورے کے دوران مختلف مقامات کے متعلق جانکاری فراہم کی۔ میری بیماری کے دوران جنہوں نے میرا خیال رکھا اور دردمندی اپنائی اُن کا مشکور ہوں۔ دِلوں میں وہی پرانا جذبہ محبت موجزن ہے کہ سرینگر میں اچانک ملاقات پر ثابت ہوتا ہے۔

۲۰۰۶ء میں آئینہ لداخ کے منظر عام پر آکر خوب پذیرائی ہوئی۔ حتا کہ دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی بھی فرمائش ہوئی۔ مناسب سمجھا کہ لداخ میں تحریر اس قلمی کتاب کو شائع کرکے سماجی ادبی حلقوں تک پہنچاؤں۔ اللہ کرے کہ شائع ہونے میں کوئی طوالت نہ پکڑے۔

سرینگر: ۱۱راگست ۲۰۱۷ء حمید اللہ حمیدؔ

تملہ ہال (شاہورہ) پلوامہ کشمیر

معروف ادیب عبدالرحمان فدآ (پلوامہ) کے تاثرات

حمیداللہ حمید جنوبی کشمیر کے اُن قلمکاروں میں سے ہیں جنہوں نے اردو نثر کی خدمت پچھے تیس سالوں سے کی ہے۔اُن کی کتاب آئینہ لداخ ،لداخ کے ٹوپوگرافی ،تہذیب وتمدن کی ایک خاصا عکاسی کی ہے۔دراصل حمیداللہ حمید محکمہ اطلاعات میں فرائض منصبی کی ادائیگی کے دوران مختلف علاقہ جات کی جغرافیائی تہذیبی اور تمدنی حالات سے روشناس ہوچکے ہیں۔جس کی وجہ سے انہوں نے ان تجربات کو قلمبند کر کے کتابی صورت میں محفوظ رکھا۔

''قوس قزاح'' جنگ تھنگ لداخ کی تصویر ان ہی تجربات اور واقعات نگاروں کی عکاسی ہے۔لداخ کے غیر مانوس علاقہ جات کی سیر حمید صاحب نے غیر شعوری طور قاری کو کرائی ہیں، جن میں چنگ تھنگ کے وسیع وعریض علاقہ جات کے موسمی جغرافیائی حالات لوگوں کے رہن سہن اور مذہبی رسومات کا تجربہ اس کتاب میں بے دھڑک خاکہ نگاری کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔اس طرح سے یہ کتاب علاقہ چنگ تھنگ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے باعث دلچسپ ہے۔کتاب میں متعدد اور اردو نظموں کو بھی قاری کے مزاج کی چاشنی کے لئے رکھی ہیں۔جن کا تجزیہ خود قاری ہی کر سکتا ہے۔

۲۳رجولائی ۲۰۱۷ء

عبدالرحمان فدآ

سرپرست ڈسٹرکٹ کلچرل سوسائٹی پلوامہ

لیتہ پورہ پلوامہ

رضا کار دوست کی رائے

لداخ میں تین سال قیام اپریل ۲۰۰۲ء سے لے کر جنوری ۲۰۰۵ء اور اکتوبر ۲۰۰۵ء کے دورہ کے دوران حمید اللہ حمیدؔ نے جو کچھ آنکھوں سے دیکھا اُس کو پوٹلی میں بند کر کے گویا صفحۂ قرطاس پر لایا۔ آئینہ لداخ مارچ ۲۰۰۶ء کو منظر عام پر لاکر اسے لائبریری محکمۂ انفارمیشن کشمیر یونیورسٹی کے علاوہ چند اداروں تک پہنچایا۔ اس کتاب کو ادباء، شعراء، آفیسران اور لداخ تک پہنچا کر اسے مقبول کرا کے ہی دم لیا۔ چنانچہ لداخی اسے نئے سرے سے رسم رونمائی کرا کے مقبولیت بخشنا چاہتے تھے مگر ۲۰۰۷ء کی خرابی صحت نے مصنف کو لداخ جانے نہ دیا۔ لداخ کے متعلق رحمتِ سفر کے علاوہ تصویر لداخ دو حصے "Coldest Desert Land Ladakh" قوس قزاح (چنگ تھنگ) کی تصویر کے علاوہ منظوم موم کا پتھر اور ناول کافی دلچسپی کی اہمیت کی حامل ہیں۔ میری رائے میں اِن کتابوں کو منظر عام پر لانا چاہیے۔ پھر یہ مقصد کھو دیں گئی۔

اگر مصنف کو کسی پبلشر کو دکھانا چاہیے موزوں رہے گا۔ کیونکہ ان کتابوں میں ابھی وہ دم خم ہے کہ فائدہ مند رہیں گے۔ فوٹو بھی اچھے ہیں اسلئے ان کتابوں کو شائع کرنا، ترتیب وار بہتر رہے گا۔ میری طرح کئی اصحاب نے ان قلمی کتابوں کو دیکھا ہو گا وہ پُر کشش ہیں۔ اللہ کرے کہ صاحب کتاب حمید اللہ حمیدؔ کو یہ کتاب جلدی شائع کرنے کی ہمت عطا کرے اور مالی طور وسائل عطا کرے۔

ایک رضا کار دوست (ادب شناس)

کلام ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ

پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغ چمن

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

برگِ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی بادِ صبح
اور چمکاتی ہے اس موتی کو سورج کی کرن

حُسن بے پرواہ کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بَن پیارے تو شہر اچھے کہ بَن؟

اپنے مَن میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن!

من کی دنیا؟ من کی دُنیا سوز و مستی جذب و شوق
تَن کی دنیا؟ تن کی دُنیا سُود و سودا مکرو فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہی آتا ہے دھن جاتا دھن

مَن کی دُنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
مَن کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھُکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!

اُٹھ کر خورشید کا سامانِ سفر تازہ کریں
نفسِ سوختۂ شام و سحر تازہ کریں

(بال جبریل سے ماخوذ)



دیباچہ

ادب کے تین محرک ہوتے ہیں۔ ایک تو لکھنے والے کی اپنی اِنفرادیت دوسرا اِس کے جذبات احساسات اور خیالات اور تیسرا اِس کا گردونواح کا ماحول۔ ہم اگر دہلی میں بیٹھ کر امریکہ کے ماحول پر لکھنا شروع کریں یا لندن میں ٹھہرتے ہوئے ہماچل پردیش کے بارے میں مضمون لکھیں تو یہ جچتا نہیں۔ ہمیں تو اُسی جگہ کی ترجمانی کرنی چاہیئے۔ ہم جہاں ٹھہرے ہوں۔ کوئی سمندر کے کنارے لُطف اندوز ہو کر پہاڑی علاقہ کے متعلق کیسے لکھ سکتا ہے کیونکہ ماحول جُداگانہ ہے۔ کوئی کوہساروں کی آغوش میں ہو کے شہر کے ماحول کو صفحہ قرطاس پر ڈال نہیں سکتا ہے۔

تین سال سے لداخ کے ماحول میں اسی عجیب پہاڑی دیس کے متعلق لکھتا رہا۔ کچھ آرٹیکل ریڈیو لیہہ سے نشر ہوئے اور تیس سے زائد آرٹیکل اخبارات میں شائع ہوئے۔ اس کتاب مین وہی کچھ اندراج کرتا ہوں جو ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا ہے۔ اس کتاب کو ''قوس قزاح'' نام رکھا ہے۔ جہاں میں ٹھہرا ہوں۔ یہ کھُلی ڈھلوانی صحرائی وادی رنگیلے بُلند قامت چوٹیوں سے گھری ہے۔ کئی چوٹیوں پر اکیلے بھی چڑھا ہوں کوئی چوٹی وادی کی سطح سے ہزار فٹ سے بھی اُونچی ہے۔ وادئ نیوما جون سے ستمبر تک کافی دلکش لگتی ہے۔ موسم کے کئی رنگ بدلتا ہے کبھی کبھار تھوڑی بارش ہو کر پھر گھنے بادل چھا جاتے

ہیں۔سوریہ (سورج) کی کرنیں مغرب جانب آ کر مشرقی کوہسار کی طرف پڑتی ہیں تو دھنک چڑھتی ہے۔سات رنگوں کے قوس قزاح کو کئی بار دیکھ چکا ہوں۔انگریزی میں اسے رین بو، ہندی میں دھنک، ڈوگری میں پینگ اور کشمیری میں رام رام بُد رِن بون کہتے ہیں جبکہ لداخی میں زُچھ تنگ کہتے ہیں۔ لداخ کے دُور افتادہ وسیع وعریض چنگ تھنگ کی قلمی خدمت کے علاوہ قدرت کی کاری گری سے لُطف اندوز ہوا ہوں۔سیاحت وسیر وتفریح کے شائقین کو معلومات مل سکیں۔

حمید اللہ حمید کوارٹر نمبر C-5 نیوما چنگ تھنگ

۱۰/دسمبر ۲۰۰۴ء

مختصر آپ بیتی

میں پانچ سال کی عمر کا تھا کہ شہر سرینگر سے گھرانہ آبائی گاؤں منتقل ہوا۔ گاؤں کے ایکٹو بیسک سکول میں داخل ہوا۔ والد صاحب سرینگر کے اخبارات میں آفتاب، ہمدرد، چنار، مارتنڈ اور خدمت کے علاوہ سرینگر ٹائمز میں عرصہ چودہ سال بطور خوشنویس کام کرتے تھے۔ اس لئے گھر پھر سرینگر منتقل ہوا اور کرایہ کے مکان میں گذر بسر کرنے لگے۔ ہندو ہائی سکول سے مڈل اور گورنمنٹ ہائی سکول بٹہ مالو سے میٹرک پاس کیا۔ امر سنگھ ڈگری کالج میں داخلہ لیا۔ اس طرح میرا بچپن اور لڑکپن سرینگر کے ماحول میں پروان چڑھا۔ بچپن سے خوشنویسی، آرٹ، تاریخ، ادب، شعر و نغمہ اور ڈراموں سے میری دلچسپی کی وجہ میرے گھرانے کا ماحول تھا۔ چھٹی جماعت سے ڈرائنگ اور کالج کی تعلیم میں سیاست اور اُردو میرے منتخب مضامین رہے۔

بڑے مجنون بھائی کے فوت اور پھر والد صاحب کی بیماری کی وجہ سے گھر کافی متاثر ہوا۔ اس لئے واپس گاؤں آباد ہو گئے۔ والد صاحب کی بستری علالت سے مالی بحران ہوا۔ میری یہ خواہش مکمل نہ ہو سکی کہ گریجویشن کے بعد یا تو بمبئی جا کر فلم انڈسٹری میں گھس جاؤں جو میری پہلی خواہش تھی۔ یا یونیورسٹی میں داخلہ لے کر قانون کی ڈگری حاصل کر کے وکالت کا پیشہ اختیار کر سکوں۔ میرے ارادے تقدیر کے پاؤں تلے دب گئے۔ گھر کو سنبھالنے اور والد صاحب کی خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کرنا میری ذمہ داری تھی۔ بورڈ نے محکمۂ انفارمیشن میں Select کیا۔

۱۸ سال کی عمر میں ہی عمر برابر خالہ زادہ بہن کے ساتھ شادی ہوئی۔ اس طرح گھریلو معاملات اور سرکاری ملازمت میں جھگڑنا میری قسمت رہی۔

والد صاحب کی شعروادب کی سرگرمیوں میں ہاتھ بٹانا میری اہم ذمہ داری رہی۔ دس سال تکلیف میں مُبتلا رہنے کے بعد وہ وفات پا گئے۔ مجھے ایسا لگا جیسے چنار کا درخت جڑ سے اُکھڑ گیا اور میں سایہ سے محروم ہوا۔ ۲۷ سال کی عمر میں مجھے مکمل طور گھر کو نئے انداز سے سنبھالنا پڑا۔ اور میرا اندرونی فنکار حرکت نہ کر سکا۔ اپنے والد مرحوم کی شعرانہ کاموں کو مقدور کے مطابق اُجاگر کرتا رہا۔ ۱۹۹۵ء میں دوردرشن کیندر سرینگر سے مرحوم والد کے شاعروطن عنوان سے ڈاکومنٹری ٹیلی کاسٹ کرائی۔ کشمیری نظموں اور غزلیات (پاٹی وردن ریشمی لباس) نام سے کلچرل اکیڈمی سرینگر کے مالی تعاون سے چھپوا کر اُسے ادبی حلقوں میں متعارف کرایا۔ حکومت نے مجھے لداخ تبدیل کیا۔ اس طرح میں تین سال کشمیر سے کٹ کے رہ گیا اور رحمت عید کتاب کمپیوٹر پر ہی پھنسی رہی اور اُردو کتاب گلشن ظہور کو شائع نہ کر سکا۔

لداخ میں قیام کے دوران میرے مزاج میں کافی سُلجھاؤ دِل کافی وسیع ہو گیا۔ سفر اور سخت موسمی حالات اور تنہائی کے ماحول میں صبر کا ہتھیار ہی میرا ساتھی رہا۔ اِدھر کئی تقاریب میں لیکچر دینے کا موقعہ آیا۔ اس طرح میرے انداز بیان میں بھی سُدھار آیا۔ یہاں اتنا کچھ سیکھا جو کشمیر میں نہ سیکھ سکا۔ نیلے آکاش تلے ننگے کوہساروں سے گھری ڈھلوانی صحرائی وادیٔ نیوما ہی میری شاعری خود بخود چھلک اُٹھی۔ حالات واقعات اور اقتصادی ترقی کے متعلق اگرچہ کئی آرٹیکل اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں مگر بیشتر قلمی مضامین اور ناول کو کتابی صورت دینے کا اِرادہ رکھتا ہوں۔

سندھو درشن کے موقعہ پر

ریاست کے وزیر اعلیٰ محترم المقام مفتی محمد سعید صاحب کی تقریر کا خلاصہ

۱۸ رجون ۲۰۰۴ء صبح کے دس بجے بروز جمعہ

بمقام سندھو گھاٹ شئے لیہہ (لداخ)

لداخ کی اپنی علیٰحدہ شناخت ہے اور بھائی چارہ کے لحاظ سے لداخ میں لوگ امن پسند اور یماندار ہیں۔ پورے دیش کی کوشش ہونی چاہیئے کہ لداخ کو ایک مثال بنائیں۔ میں نے لداخی بچّوں کو حاضر جواب پایا جب اُن سے کھُل کر بات کرنے کا موقعہ آیا۔ کئی برس سے تعلیم کی طرف لداخی بھرپور توجہ دیتے ہیں۔ اس وقت نہ صرف بیشتر سرکاری سکول ہیں بلکہ پرائیویٹ تعلیمی ادارے بھی۔ اگرچہ ناموافق حالات کی وجہ سے کئی سال تک سیاح کشمیر نہ آئے مگر یہاں امن و آشتی کی وجہ سے سیاح آتے رہے۔ آج تو سرینگر زوجیلا کے علاوہ منالی راستے سے بھی صرف دو دن لگتے ہیں۔

پہلے لداخ کیا تھا پورے ایشیاء کا گیٹ وے تھا۔ تاشقند، کاشغر اور سکیانگ سے تجارتی قافلے آتے تھے۔ لیہہ تو تجارتی منڈی بھی۔ چشول کے نزدیک پنگوگ جھیل کا نصف سے زیادہ حصّہ تبت میں ہے۔ رہا کیلاش مانسرور کھولنے کا معاملہ اترانچل سے راستہ دور کا بھی ہے اور کافی کٹھن ہے جبکہ دمچوک سے یہ راستہ اِتنا کٹھن نہیں۔ یاتری ماروتی یا چھوٹی گاڑی میں بھی اُدھر جاسکتے ہیں۔ اس بارے میں یہ معاملہ وزارت داخلہ فارن منسٹری اور

وزیر اعظم کے ساتھ اُٹھایا گیا تھا۔

رہا پاکستان کے ساتھ معاملہ! ہم تو نفرت کی دیواریں گرانا چاہتے ہیں۔ وہاں کے لوگوں کو پاک میڈیا یہ Impress دیتی ہے کہ سرینگر Capital of Force ہے جو کہ صحیح نہیں۔ پنڈت نہرو اور شیخ محمد عبداللہ ایشیاء کو ایک کھڑکی بنانا چاہتے تھے۔

۵۶ سال میں پہلی بار پاکستان سے اِدھر کُچھ لوگ دعوت پر لائے گئے ہیں۔ جو اس وقت میلے میں موجود ہیں۔

ہل ڈیولپمنٹ کونسل کو اِس ہماری حکومت نے زیادہ اختیارات دئے تا کہ لداخی لوگ سہولیات اور حاصل کر سکیں۔ میں پچھلے سال سے جب سے حکومت کی بھاگ ڈور سنبھالی اب تک چھ بار لداخ آیا۔ کیلاش مانسرور کا معاملہ محکمۂ ٹورازم کے ساتھ بھی اُٹھایا جائے گا۔ جتنے ٹورسٹ لداخ آنا چاہیئے آجائیں۔ جموں وکشمیر کی ریاست ایسی ہے جو کہ تمام موسموں کے لئے بہتر ہے۔ رہا اس سرکار کا برتاؤ۔ یہ سرکار جو بن گئی ہے نے ہر خطہ چاہئے کشمیر ہو جموں ہو یا لداخ ہر خطہ کے ساتھ برابر سلوک کرنے کا عظم کیا ہوا ہے۔



وادیٔ نیوما کے خدوخال اور قرب جوار

لداخ کا خطہ رقبے کے لحاظ سے جموں اور کشمیر کے صوبوں سے کافی بڑا ہے۔ دو ضلعوں لیہہ اور کرگل پر مشتمل یہ وسیع و عریض حصہ جموں اور کشمیر سے علیحدہ طرز طور کا ہے۔ یہ خطہ زوجیلا درّہ سے سرینگر اور ٹنگلنگلا درّہ سے سیہ ہماچل پردیش سڑکوں کے ساتھ بیرونی دُنیا سے جُڑا ہوا ہے مگر نومبر سے مئی تک برف بھاری سے سرینگر اور منالی کے لئے ٹریفک بند ہو جاتا ہے۔ اس طرح لداخ سڑک کے راستے دُنیا سے کٹ جاتا ہے۔ دہلی، سرینگر، جموں اور چندی گڑھ سے کئی سول ہوائی جہاز اور آرمی جہاز لیہہ آتے ہیں۔ اونچے ننگے کوہساری سلسلے کی تنگ وادیوں میں سے سڑکوں کا جال بچھایا گیا ہے۔ کُچھ سڑکیں کبھی کبھار سخت برفباری، جم ہو جانے اور درّوں کے بند ہو جانے کی وجہ سے ٹریفک کی آمد و رفت کے لئے نہیں رہتیں ہیں۔ کچھ راستے تو سال کے آٹھ ماہ بند رہتی ہیں۔ کچھ سڑکیں ایسی بھی ہیں جو سال بھر برابر کھُلی رہتی ہیں۔ ان میں سے لیہہ سے نیوما جانے والی سڑک خاصی اہمیت کی حامل ہے۔

لیہہ سے جو سڑک جنوب طرف منالی جاتی ہے اُس کے ۴۹ ویں کلومیٹر پُر اپشی آتا ہے۔ دریائے سندھ پر لگے پُل کے پار جنوب جانب منالی ہماچل پردیش کو سڑک جاتی ہے۔ اس طرف زائد ۲۰۰ کلومیٹر کا حصّہ سرحد تک بلاک نیوما کا حصہ ہے۔ پُل سے اس طرف مشرق کو بُلندی کی سڑک سال بھر ٹریفک کے لئے کھُلی رہتی ہے۔ یہ سڑک نیوما جاتی ہے۔ جو سرحد چین کی

حساس سڑک ہے۔ اور اُپشی سے نیوما ۱۴۳ کلومیٹر فاصلہ ہے۔ یہی راستہ تبت سے لداخ آنے کا قدیم راستہ رہا ہے۔ جب کاروان لیہہ آیا کرتے تھے۔

نیوما کو جموں وکشمیر کے نقشے میں نیوماریپ Nyoma Rap لکھا گیا ہے اور کئی نقشوں میں اس لئے ماہی سے آگے نہیں دکھایا گیا ہے کیونکہ یہ سرحد چین کی وجہ سے ممنوعہ ہے۔ اس حصہ جانا ممنوعہ ہے بجز جوڈیوٹی پر ہو یا اس علاقے کا ہو۔ دریائے سندھ نیوما کی صحرائی وادی کے بیچ سے مدھم بہتا ہے۔ اور دسمبر سے فروری تک بالکل جم جاتا ہے۔ وادئ نیوما سے گزرتا ہے۔ چار سڑکوں کا سنگم ہے۔

سب دویژن چنگ تھنگ کے بیچوں بیچ جغرافیائی خدوخال والی منفرد خوبصورت وادی کا نام ہے۔ سطح سمندر سے ۱۳۹۰۰ فٹ بُلندی پر واقع دنیا میں سطح سمندر سے بُلندی پر اونچے قصبہ کے روپ میں اُبھرنے لگا ہے۔ لیہہ سے نیوما تک کی سڑک ٹائرمیکڈم ہے۔ لوما سے چشول جانے والی سڑک پر ژھا گہ تک اِسی طور کی تعمیری کام ہاتھ میں لیا گیا ہے۔

جونہی کچالائل سے وادئ نیوما میں داخل ہوتے ہیں تو کھڑی چوٹی سلسلوں سے گھری یہ جگہ دلکش اور آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ دل سے اک ہوک سی اٹھتی ہے۔ وادی نیوما تیری جغرافیائی خدوخال کو سلام ہو۔ ۲۵ مراج کلومیٹر پر پھیلی یہ وادئ آکاش اور دھرتی کے مِلن کا منظر پیش کرتی ہے۔ مختلف طرز اور مختلف رنگوں کے کوہسار جیسے آکاش چھو رہے ہیں۔ چار سو خاموشی کو تیز وتُند ہوائیں توڑ دیتی ہیں۔ ریت وغبار گھومتے گھومتے چوٹیوں کے اوپر رقص کرتا ہے۔ نیوما بستی گاؤں مشرق جانب ڈھلوانی پتھریلی جگہ پر پھیلا ہوا ہے۔ مکانوں کے اُوپر گاڑھے رنگ برنگی جھنڈے لہرا کر اور پیڑوں

سے تیز ہوا ٹکرا کر ساز کا ماحول چھڑتا ہے۔ جون سے ستمبر تک اِن مکانوں کے گردونواح گرم وگندم کے ہرے بھرے کھیتوں سے مخملی قالین جیسے سجے نظر آتے ہیں۔ آکسیجن کی کمی کے باعث نیوما کا موسم خشک رہتا ہے۔ اگرچہ سال بھر دن کو کھُلی دھوپ رہتی ہے۔ مگر کبھی کبھی موسم میں کوئی رنگ بدل کر وادی کی خوبصورتی میں اور نکھار آتا ہے۔ موسم گرما میں کبھی کبھار ہی تھوڑی بارش ہوتی ہے اور سرما میں بہت کم برف ہوتی ہے۔ آکاش پر جگمگاتے تاروں خاصکر چاندنی راتوں کی روشنی میں نیوما سُنہرا منظر پیش کرتا ہے۔

دریائے سندھ کے کنارے پلانٹیشن نرسری ہے اور جنگلی جانوروں کے جن میں کیانگ (جنگلی گدھے) اور خرگوش شامل ہیں۔ دریا کے کنارے دوڑتے پھرتے ہیں۔ جبکہ بلیک نیک کرین (ریاست جموں وکشمیر کا قومی پرندہ) اور اڑتے بطخ بھی نظر آتے ہیں۔

نیوما کے جنوب مغرب کچالا پہاڑی جو جنوب کی طرف پہاڑ دریائے سندھ کے پار واقع ہے کے درّے میں ندر گاؤں ہے۔ نچوم پہاڑ کے دامن سے گذرنے والی سڑک پر کچالا پُل کے ساتھ جُڑا ہوا ہے۔ پُل سے شمال کی طرف آگے سڑک اُپشی لیہہ جانے والی ہے جبکہ پُل کے پار کھُلے صحرائی میدان اور پلانٹیشن نرسریوں کے درمیان کسی حد تک قابل آمدورفت ہے۔ ادھر سے ہی آگے درے میں ندر گاؤں واقع ہے۔ آگے یہ راستہ ساسرلا سے جو کہ سطح سمندر سے ۷۷۰۰ فٹ اونچا ہے سے ہوکر چمور جاتا ہے جو کہ ہماچل پردیش کی جانب لداخ کا آخری مقام ہے۔ نیوما وادیٔ سے چمور ۶۰ کلومیٹر دور ہے۔ نیوما کے شمالی مشرق بُلند قامت کھڑے چوپازیہ کوہسار کے دامن میں واقع ہاتھی نما چوٹی زمین سے ۷۰۰ فٹ اونچی ہے پر قدیم گھمپا بدھ دھرم

کا علاقائی مرکز رہا ہے۔ نیوما ئمڈ اور راندر گاؤں کے لوگ اِدھر مخصوص بودھ تہواروں پر حاضر ہوتے ہیں۔ اس گھمپا میں بھول بھلیاں ہیں۔ قدیم زمانے کے کمرے اور رسوئی خانہ ہے۔ دو جگہوں مہاتما گوتم بدھ اور دوسرے لاماؤں کی مورتیاں موموجود ہیں۔ ایک مورتی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں برس پہلے لاماؤں نے ایک مُسلم بزرگ کے نام پر بھی ایک مورتی بنائی۔ عبدالغنی شیخ ایک مضمون ''میر سید علی ہمدانی اور لداخ'' میں یوں لکھتے ہیں کہ ''شاہ ہمدان سے متعلق لداخی مسلمانوں میں یہ روایت ہے کہ وہ لداخ اور تبت کی سرحد پر واقع ایک مقام مُردے ناغا گئے تھے جہاں خطّے کی ترقی اور سلامتی کے لئے انہوں نے دُعا مانگی تھی۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اُن کی ہی دُعا کا اثر تھا کہ ۱۹۶۲ء کی ہند چین جنگ میں اس علاقے کو کوئی گزند نہ پہنچی۔ اس علاقے میں نیوما نام کے گاؤں جو آج کل سرحدی علاقہ چنگ تھنگ کا سب ڈویژن کا صدر مقام ہے ایک گُنپہ میں کسی مسلم بزرگ سے وابستہ ایک مورتی ہے جو خاچے لہایا مُسلم دیوتا کے نام سے مشہور ہے۔ لیہہ کے جانکار مسلمانوں کا کہنا ہے کہ یہ مورتی میر سیّد علی ہمدانیؒ سے گہری عقیدت کے تیئں علاقے کے بودھوں نے نصب کی تھی۔ اسلام بُت پرستی کے خلاف ہے۔ سید علی ہمدانیؒ یا خُدا کے اِس نیک بندے کو جس کی یاد میں یہ مورتی بنائی گئی ہے۔ اس واقعہ کا غالباً علم نہیں ہوگا۔ ورنہ وہ کبھی نہ چاہتے کہ ان کی مورتی بنائی جائے۔

(شیرازہ، شاہ ہمدان نمبر، شائع کلچرل اکیڈمی سرینگر)

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت شاہ ہمدانؒ لیہہ اور شئے میں ٹھہر کر پھر نیوما راستے سے ہی تبت اور چینی ترکستان گئے تھے۔ سارے سب ڈویژن چنگ تھنگ میں مسلمانوں کی کہیں بستی نہیں ہے۔ یعنی نیوما سے

ٹھکسے لیہہ تک یعنی ۱۵۲ کلومیٹر تک خاص جانکاری سے راقم کو معلوم ہورکہ کئی سال پہلے ٹنگسے میں چند گھرانے یا تو ہجرت کر گئے یا بودھی دھرم اختیار کر گئے۔ ایک عورت چوری چھپے لیہہ پہنچ کر اپنا مسلم مذہب برقرار رکھلی۔ یہ بھی سُننے میں آیا چشول میں چند مسلم گھرانے نام کے ہیں۔ یہ دونوں مقامات نیوما سے بہت دور ہیں۔

ہاتھی نما چوٹی گھمپا کے ملحقہ ڈھلوان پر تراشیدہ چھوٹے پتھروں سے بنے قلعے کے آثار بھی ہیں جو کھنڈرات کی شکل میں ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ راجہ سنگھی نمگیال کے دور میں اِدھر مجرموں کو قید کیا جاتا تھا اور خطرناک مجرموں کو گہرے کنوئیں میں دھکیلا جاتا۔ قلعے کے دامن میں شمال مغرب سے جنوب کی طرف تک دولالی چوٹیوں تک نیوما کا گاؤں پھیلا ہوا ہے۔ اسی چوٹی کے دامن میں درختوں سے گھرے ایک مکان میں بیس سال قبل تک اسسٹنٹ کمشنر کا دفتر ہوا کرتا۔ اِسی کے ساتھ گاؤں کا کمیونٹی ہال خستہ حالت میں ہے۔ دامن میں نصب کئے گئے واٹر پمپ سے نلوں کے ذریعے اوپر چوٹی گھمپا تک پانی پہنچانے کا انتظام ہے۔ لیہہ سے آئی ہوئی سڑک نہ صرف نیوما کے مین چوک تک ٹائر میکڈم ہے بلکہ یہ سڑک گاؤں کے بیچ برابر اس چوٹی سے گھوم کر مشرق جانب اس کے دامنے تک تعمیر کی گئی ہے ادھر مانے دیوار دور تک جنوب جانب اور دوسری شمال جانب جن پر رنگ برنگی چکور پتھر بکھرے ہیں ان پتھروں پر بودھی تعلیم تبتی زبان میں کُندہ ہے۔ اس کے پیچھے بُلند قامت چوپاز یہ پہاڑ سلسلہ مشرق سے لے کر جنوب مشرق تک ایک دیوار کی صورت میں کھڑا ہے۔ اِدھر سے پہاڑ کے پرے مُڑ جانے کا پہاڑی راستہ ہے۔ جنوب جانب اُونچی چوٹی کے ساتھ (دارچین رنگ) کی دو چوٹیاں کھڑی ہیں ان کی

مشابہت عورت کے دو پستانوں مانند ہے۔کئی لداخیوں نے اس بات کی گوشنا کی کہ ان ہی دو چوٹیوں کی مشابہت پر گاؤں پر قدیم زمانے سے بنو ما نام پڑ گیا ہے اور یہی وجہ تسمیہ ہے۔آن کو نیو مارے (نیوما پہاڑ) کہتے ہیں لداخی میں نیو ما یا نو ما کا مطلب پستان ہے۔اس پہاڑ کو سپٹا Sapta بھی کہتے ہیں۔ ہاتھی نما چوٹی کے علاوہ اس چوٹی پر لوسر تہوار کی راتوں کو تیل کے دیئے جلائے جاتے ہیں۔اس طرح نیلے آکاش پر ٹمٹماتے تارے اور پہاڑوں پر تیز ہوا میں جلتے یہ دیے وادئ نیوما کی راتوں کو کافی حُسن نکھارتے ہیں۔ یہ نظارہ دِل کو لبھاتا ہے۔جس کا مشاہدہ راقم نے کیا ہے۔

چو پاز یہ پہاڑی سلسلے اور شمال جانب ڈولنسر پہاڑی سلسلے کے درمیان جگہ میں پھوہ ایک نالے کے کنارے بسا ہے۔آٹھ گھرانوں کی یہ بستی نیوما کی ایک پتی ہے۔آگے شمال مشرق یہ ایک درے کی صورت میں ایک طرح ٹریکنگ روٹ ہے۔ایک لامانے بتایا کہ اوپر جنگ تھنگ کا راستہ ہے۔ پیدل یا گھوڑے پر چھوٹے لمنگ جھیل سے ہو کر ایک دن میں چشول کا سفر طے ہوسکتا ہے۔ گلیشر سے آئی ندی ہاتھی نما چوٹی کے دامن شمال جانب دو حصوں میں بٹتی ہے۔ایک حصہ تبتی رفیوجی کالونی کی طرف جاتی ہے اور دوسرا حصہ نیوما گاؤں کے بیچ سے گذر کر آگے بس اڈے کے جنوب طرف جس کے کنارے سڑک جاتی ہے۔ پھر پلانٹیشن نرسری میں سے گذرتی ہے۔گاؤں کے کھیت کھلیانوں کو پانی کی نالیوں سے جہاں جون سے ستمبر تک سیراب کیا جاتا ہے۔ اکتوبر سے اپریل مئی تک بالکل جم جاتی ہے۔اس دوران بچے اور بڑے بھی سکیٹنگ کھیلتے ہیں۔اس ندی پر قدیم زمانے سے آٹھ گھراٹ ہیں۔جن میں اناج پھسا جاتا ہے۔ پیدل چلنے کے چھوٹے پُل کے علاوہ بس اڈے اور

پلانٹیشن نرسری کے نزدیک دوپلوں پر ٹریفک چل سکتا ہے۔

ڈونسر پہاڑ کا دامن دو کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہے جس کے دامن میں تبتی رفیوجی کالونی ہے۔ شمالی مغرب یہ کٹا ہوا لگتا ہے۔ پہاڑی درے سے تگلنگ کے میدان کا راستہ ہے جہاں نیوما کے لوگ مال مویشی گھاس چرنے کے لئے بھیج دیتے ہیں۔ دولنسر کا مطلب ہے پیلا اور یہ تہہ دار پہاڑ اِسی رنگ کا ہے۔ مغرب کا پہاڑ کا رنگ نیوما پہاڑ کی طرح ہلکے لال رنگ یعنی بینگن رنگ سے ملتا جُلتا ہے۔ اس کے دامن میں جرنیلی سڑک گذرتی ہے اور ایک طرف ہائر سیکنڈری سکول کمپلیکس، زیر تعمیر وسیع و عریض سکول ہوسٹل عمارت اور آل انڈیا ریڈیو کا ریلے سنٹر موجود ہے۔ دامن سے اس پہاڑ پر چڑھنے میں ۴۵ منٹ لگتے ہیں۔ ہند چین جنگ کے وقت سے اِدھر فوج تعینات رہی اور اب تیس سالوں سے وہ بینکر خالی پڑے ہیں۔ اس پہاڑ کے اوپر وادیٔ نیوما کی آغوش سے گذرتے نالہ سندھ بالکل سامنے ہے اور پہاڑی سلسلے وادی کی خوبصورتی میں اور رنگ بھرتے ہیں۔ اس جگہ راقم صرف ایک بار ایم ایل کول اور نمگیال کے ساتھ گیا ہوں۔

نیوما پہاڑی کے دامن سے جرنیلی سڑک لوما کو جاتی ہے۔ اس کے پار کھُلا صحرائی میدان دریائے سندھ تک پھیلا ہوا ہے۔ ۲۰۰۳ء میں ہیلی پیڈ مکمل کیا گیا۔ دور دور تک آرمی کے بنکر قصہ پارینہ بن چکے ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں فوجی چھاونی کی وجہ سے۔

۱۹۴۷ء تک لداخ آنے کے لئے مُلکی اور غیر ملکی سیاحوں کو اجازت نامہٗ لینا پڑتا تھا پھر سارے لداخ کو سیاحت کے لئے ممنوع قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۴ء میں وزیر اعلیٰ جموں و کشمیر لداخ سید میر قاسم نے اس پابندی کو ہٹا دیا

تو غیر ملکی سیاحوں کا لداخ آنا جانا پھر سے شروع ہوا تاہم چنگ تھنگ سب ڈویژن اسی پابندی کے زمرے میں تا ایں دم برقرار ہے ماسوائے دو جھیلوں جھومرے اور پنگوک خصوصی اجازت نامہ کے بعد ہی گاڑیوں کی رجسٹریشن کے وقت کاروبار کیری اور ماہی پُل پر سواریوں پر نظر گذر رکھی جاتی ہے۔ اُس جگہ سے تعینات سرکاری ملازمین اور نیوما کے باشندے ہی آ سکتے ہیں۔ مختلف پروجیکٹوں پر کام کرنے والے کاریگروں اور مزدوروں کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لداخ کے اجازت نامہ لینے سے ہی نیوما میں داخلہ ملتا ہے۔

۱۹۴۷ء سے پہلے ہی چنگ تھنگ میں غیر ملکی سیاح کبھی کبھار آ چکے ہیں۔ کئی نے اپنے سفرناموں میں نیوما کے آس پاس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ۱۸۷۵ء میں لکھی گئی ایک کتاب کے مصنف Mr. Frodericolrew یوں اظہار کرتے ہیں۔ After passing over several miles of these stony tracks come to where there are two or three small villages whcih are the highest Indus valley. The villages are three. On the left bank is Nidder in a narrow that comes down from the south, it has three houses only on the right bank Nimu at twelve houses and Mud at ten. Nimu is about 14000 feet above sea level it shaves a tast of brought grim at the edge of great stony expances nacked bary and peas are sown here. But only the farmers repines of trees. There

are few large willows of great age.

نیوما میں کچھ ایسے بھاری بھرکم جھاڑی نما درختان بھی آنگنوں میں نظر آتے ہیں۔جن کو Untouchable کہا جاتا ہے ان کو چھونا منع ہے۔لداخی لوگ ایسے درختوں سے ٹہنی کیا پتا نہیں کاٹ سکتے ہیں۔مذہبی نوعیت کے پیڑ سینکڑوں برس کے ہیں۔خاص اہمیت کے حامل۔

نیوما کی مین چوک پر سڑک کافی کھلی ہے اور سرکاری دفاتر اور کوارٹروں کے بیچوں بیچ سرکل روڈ ٹائر میکڈم والا ہے۔شمال جانب آڈیٹورم ہال کے سامنے گذرتا ہوا یہ راستہ اب تبتی کالونی تک سڑک کی صورت میں نظر آتا ہے۔ وہیں اگریکلچرل کمپلیکس اور انڈور سٹیڈیم کے آگے ایک سڑک مغرب جانب جرنیل سڑک کے ساتھ دوسری سڑک جڑتی ہے۔مین چوک سے بڑی سڑک ٹیلی ویژن ریلے سنٹر، ہسپتال، پولیس سٹیشن اور سولر پلانٹ کے سامنے نئے زیر تعمیر سب ڈسٹرکٹ ہسپتال کمپلکس کے پاس لیہہ سے آنے والی سڑک کے ساتھ جُڑتی ہے۔یہ سڑک آگے انلے اور دمچوک جاتی ہے۔مین چوک سے اِس سڑک کے بائیں جانب جو اُوپر سے نالہ آتا ہے اس کے پار ہسپتال سے آگے ۳۳/۱ ایکڑ رقبے پر پھیلی ہوئی پلانٹیشن نرسری کا کام ۱۹۶۴ء سے شروع ہوا۔اب ہر سو ہریالی چھائی ہوئی ہے۔۲۰ ہزار لمبے، موٹے، چھوٹے پیڑوں کی موجودگی ہوتا ہے قوس قزاح کا منظر پیش کرتی ہے۔جون سے ستمبر تک صحرا میں جنگل کئی پکنک سیر سپاٹے منائے جاتے ہیں۔فارسٹ ریسٹ ہاؤس دورۂ چنگ تھنگ پر آئے۔سرکاری شخصیات کے قیام میں کافی سہلیات کا حامل ہے۔اسی جگہ میں وائلڈ لائف کا بھی دفتر ہے۔پولیس سٹیشن کے پچھواڑے فوٹا نگ کمپلکس کے سامنے بھی ایک چھوٹی نرسری کا تجربہ ہو رہا ہے۔وہیں ہاتھی

نما چوٹی اور چو پاز یہ پہاڑی سلسلے کے درمیان بھی نرسری چالو کی گئی ہے۔

نیوما مین چوک کے ساتھ ہی سرکاری دفاتر، کانفرنس ہال اور ڈاک بنگلہ سرکل روڑ کے ساتھ جُڑا ہے۔ مین چوک سے پُل پار جہاں مشرق جانب گھوم کر ٹائر میکڈم سڑک ہاتھی چوٹی کے دامن تک وسیع کی گئی ہے، وہیں جنوب جانب ٹرائبل ہوسٹل کو جانے والی رابط سڑک گاؤں کے درمیان سے گذر کر آگے پلانٹیشن نرسری کے جنوب طرف نیوما پہاڑ کے دامن سے تھوڑا آگے جرنیلی سڑک کے ساتھ ملتی ہے۔ پھر سب ڈسٹرکٹ ہسپتال موڈ پر سڑک رُکتی ہے۔ یعنی تین سڑکوں کا سنگم ہے۔ یعنی سڑک کے جنوب مغرب کنارے نیا پٹرول پمپ، آر اینڈ بی کے نئے کواٹر اور دیگر سرکاری تعمیرات کھڑی ہیں۔ اسی موڈ پر جنرل ریزرو انجینئرنگ فورس DREF کی طرف سے مائل سٹون پر لیہہ کی مسافت لکھی ہوئی ہے یعنی ۱۸۲ کلومیٹر۔

ہاتھی نما چوٹی کے مشرقی دامن میں پتھروں سے جو جگہ اب بھی محفوظ نظر آتی ہے اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ قدیم زمانے میں قلعہ کے فوجی جرنیلوں کے گھوڑوں کے لئے یہ مخصوص تھی۔ جہاں تک اسی جگہ سفید رنگ کئے گئے ستوپا نظر آتے ہیں جن کے اندر نقش نگاری اس بات کا ثبوت ہے کہ ہاتھی نما چوٹی کے اوپر بودھ گھمپا قدیم زمانے سے خاص اہمیت کا حامل ہے۔ بودھ گھمپا تک چڑھنے کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک ان ہی ستوپا کے آگے اور دوسرا سڑک کے ساتھ جُڑا ہوا چٹانوں کو کاٹ کاٹ کر بنایا گیا راستہ۔ جہاں چوٹی کے دامن میں مانے دیوار ہے وہیں اس قسم کی دیوار ہائر سیکنڈری سکول کے آگے جرنیلی سڑک کے کنارے بھی ہے اور دوسری جگہوں پر بھی۔

چنگ تھنگ اعلیٰ کوالٹی کا پشمینہ پیدا کرنے میں مقبول عام ہے اور بھیڑ

بکریوں اور یاکوں کی بڑی تعداد لداخ کے اسی وسیع وعریض حصے میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ مال مویشی ہی چنگ تھنگ کی آمدن کا بڑا ذریعہ ہے۔ بے شمار چراگاہوں میں چنگپاز Sheeps گڈریئے پھرتے رہتے ہیں۔ موسم گرما کے دوران دریائے سندھ کنارے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ وادئ نیوما سے ہوکر آگے مدلوما کھریل اور ڈونگٹی چلے جاتے ہیں۔ وادئ نیوما کی خوبصورتی میں جانوروں کی نقل وحرکت سے اوراضافہ ہوتا ہے۔ نیوما کے ایک باشندے نے صاحب کتاب کے ساتھ غیرت سے بات کی کہ نیوما کے لوگ چنگباز نہیں ہیں، مذکور لوما وغیرہ کے مگر راقم اس طرح اتفاق کرتا ہے کہ یہ گڈریے نہیں ہے۔ مگر چنگباز کے ساتھ نزدیک میں شکل وصورت سے نیوما کے لوگ لداخی لگتے ہیں اور وہی رہن سہن اختیار کرتے ہیں۔ ان کے رسومات چاہئے بچوں کی پیدائش، شادی تقریب اور مرتی کے طور طریقے ہوں لداخ کے ہی ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اگرچہ سب ڈویژن چنگ تھنگ تبت کے قریب ہے مگر ان کی سماجی زندگی میں لداخی اثرات ہیں۔ سادہ لوح اور خوش مزاج ہیں۔ تمدنی سماجی اور سرکاری تقریبات کے علاوہ بودھی دھرم مجلسوں میں بڑھ چڑھ کر حصے لیتے ہیں۔ مرد وعورتیں خوشی خوشی گاتے اور ناچتے ہیں۔ بودھ پورنیما، لوسر اور دیگر تہوار اُسی طریقے سے مناتے ہیں جس طرح کہ لداخ کے دوسرے مقامات پر۔ امن کے ماحول میں نیوما کے لوگ آپس میں پیار ویگانگت سے رہتے ہیں اور کبھی بھی کوئی ناچاقی اور ہنگامہ نہ ہونا ان کی شرافت میں داخل ہے۔ سب لوگ بودھ دھرم کے پیروکار ہیں اور گاؤں کے لوگ لداخی زبان اور تبتی کالونی کے مکین تبتی زبان بولتے ہیں۔ نیوما کا لداخی نام نوما اور تبتی میں Nyo-Ma ہے۔

سب ڈویژن چنگ تھنگ کے مرکز کی بناء پر اِدھر چہل پہل یقینی ہے۔ لداخ ہل ڈیولپمنٹ کونسل کے اراکین اور ضلع انتظامیہ کی مشینری کے آفیسران کے چنگ تھنگ کے دورے کی وجہ سے اِدھر آنا جانا رہتا ہے۔ موسم گرما کے دوران چہل پہل میں اوراضافہ ہوتا ہے۔

ایک ادھیڑ عمر کے سرکاری ملازم نے بتایا کہ پہلے اتنا ترقی نہیں تھا۔ جتنا آج ہے۔ چار پانچ دفاتر اور ایک مڈل سکول تھا۔ اسطرح بیس سال قبل کے نیوما اور آج کے موازنہ کرکے لگتا ہے کہ اِدھر کافی تبدیلی آئی ہے۔ تعلیمی کافی اقتصادی تعمیر و ترقی ہو چکی ہے۔

۱۹۹۵ء سے دس برس کے دوران نیوما وادی میں بارڈر رائریا ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت ۲۰ کروڑ کے مصارف سے کئی عمارتیں اور پروجیکٹ تکمیل پذیر ہوئے جن میں آڈیٹوریم ہال، انڈور سٹیڈیم، زرعی کمپلکس، آفیسرس کلب، سولر پلانٹ کے علاوہ کانفرنس ہال اور ہائر سیکنڈری سکول کمپلکس چالو ہے۔ سرکاری کواٹروں کے عقب میں واقع ایک وسیع رقبے پر فوٹانگ میں تعمیرات اگرچہ رضا کار کالی چکرا تنظیم کی زیر نگرانی ہوئی مگر بیشتر رقومات سرکار کے مختلف مدوں کے تحت الاٹ ہوگئی۔ سب ڈسٹرکٹ ہسپتال اور طلبہ کے لئے ہوسٹل بلڈنگ بھی شامل ہے۔

تعمیر و ترقی کی بدولت نیوما وادیٔ کے خدوخال میں جدیدیت کا رنگ بکھرتا جارہا ہے اس طرح اس کے قدرتی حُسن میں اورنکھار آنے لگا ہے۔

قدرت کے بھی سات رنگ اور ان کے بھی ایک رضا کار اہلکار نے بتایا کہ:

۱۹۶۲ء کی ہند چین جنگ کے وقت چنگ تھنگ کا مرکز چشول ایک میدانِ جنگ میں تبدیل ہوگیا۔ پھر کچھ عرصہ ریاستی اور مرکزی دفاتر چاتھانگ

منتقل ہوئے۔ مگر تاریخی اعتبار کے علاوہ وسیع جگہ کے باعث چنگ تھنگ کا ہیڈ کوارٹر نیوما تبدیل کیا گیا۔ آہستہ آہستہ ریاستی سرکار کے کئی دفاتر اِدھر کھولے گئے اس کے علاوہ مرکزی حکومت نے بھی اِدھر اپنی ایجنسیاں لائیں۔ اس وقت نیوما میں یہ دفاتر کام کررہے ہیں۔

(۱) ایس ڈی ایم (۲) ایگزیکٹو انجینئر آر اینڈ بی سپیشل سب ڈویژن (۳) تحصیل اِنفارمیشن سنٹر (۴) جوڈیشنل مجسٹریٹ (رجسٹرار سب جج (۵) بلاک ڈیولپمنٹ آفیسر (۶) بلاک میڈیکل آفیسر (۷) اسسٹنٹ ڈائریکٹر پشمینہ ڈیولپمنٹ (۸) رینج آفیسر فارسٹ سب ڈویژن (۹) رینج آفیسر وائلڈ لائف چنگ تھنگ (۱۰) زونل ایجوکیشن آفیسر (۱۱) اسسٹنٹ رجسٹرار کواپریٹو (۱۲) اسسٹنٹ اگریکلچر ایکسٹینشن دفتر (۱۳) پروجیکٹ آفیسر چائلڈ ڈیولپمنٹ (۱۴) وارڈن ٹرائیبل ہوسٹل (۱۵) بارڈر لائبریری (۱۶) سب ٹریجری (۱۷) جموں وکشمیر بنک (۱۸) فوڈ سپلائز دفتر (۱۹) اینمل ہسبنڈری زون دفتر (۲۰) جونیئر انجینئر پاور ڈیولپمنٹ (۲۱) سولر پلانٹ دفتر (۲۲) ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ہائی سکول (۲۳) فشریز انسپکٹر۔

اس کے علاوہ مرکزی سرکار کے یہ دفاتر بھی کام کرتے ہیں۔

(۱) آئی ٹی بی ایف کا کمانڈنگ دفتر چنگ تھنگ (۲) گریف کا برانچ (۳) ٹیلیفون ایکسچینج (۴) سپرانٹنڈنٹ آف کسٹم (۵) دوردرشن ریلے سنٹر (۶) آل انڈیا ریڈیو کا ریلے سنٹر (۷) کیندریا ودھیالہ سکول

اے نیوما تم کو میرا آخری سلام

۳۳ سال ہوکے بھی تمہارے خدوخال آنکھوں میں سمائے ہوئے ہیں۔



موم کا پتھر

رحمت ہم مانگتے رہے اللہ سے کوئی خطا کر بیٹھے
دو آنکھوں سے دیکھنا مقصود تھا، کونسا قصور کر بیٹھے

خدا کے سامنے آنسو بہانا فطرت ٹھہری اِدھر
محفلوں میں یوں ہی ہنس ہنس کر کچھ سجا کر بیٹھے

تنہائی کا عالم وہی جانتے ہیں، جن پر گزرتی ہے
اُجالے راس تو آئے، اندھیروں کو گھائل کر بیٹھے

شمع جب جل اُٹھی، تبھی تو پروانہ بھی جلنے لگا
بتاؤ! شمع نہ جل جائے پروانہ کیا کر بیٹھے

نیچی نظریں کر کے مُسکرانا اور گنگنانا عادت ہو گی
یہ نسوانی چال ہے یا کوئی خاموش پریم کر بیٹھے

موم کا پتھر پگھلتا ہے، طاقت نہیں چٹان جیسی
دیکھو[1] کو تھپکو[2] میں کون کیسے مِلاوٹ کر بیٹھے

میرا پیمانہ اِخلاص سے پُر تھا اِدھر بھی
نہ جانے کِس کی نظر لگی، چُپ کر بیٹھے

پہچاننا بڑی مشکل ہی اپنوں کو بھی زمانے میں
حُسن کو عشق سے لگاؤ تو کون یوں ہی کر بیٹھے

مشک[3] چہرے کو میلونگ[4] ننگ[5] سمجھ لیا میں نے
دتیا[6] کہہ رہا ہے[7] دپکو سے چسپا[8] کیوں کر بیٹھے

تقدیر کے آگے تدبیر کے ہی پَر جلتے ہیں
تو کیوں تدبیروں سے ستاروں کا مِلن کر بیٹھے

کوئی محرمِ راز نہیں اصلیت کچھ اور ہے یارو
دھڑکنوں کے طوفان کو دَبا دَبا کر خاموش کر بیٹھے

غفلت آتی جاتی ہے دُنیا جو فانی ٹھہری
--- سے آنکھیں بدل کر کون لکشمی بن کر بیٹھے

بُربادِ صحت کے شُکر میں جشن منانا ضروری تھا
ایسے بیمارِ دل سے تو اب کیا سلوک کر بیٹھے

نیوما کے تیز ہوا اور کڑا کے سردی کا کیا پُوچھنا
اپریل کے ابتداء ہی سے اِسکا استقبال کر بیٹھے

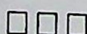
مَن کے آمنے سامنے اِشاروں میں کھُل گئے
گیت گائے پتھروں نے ہم دو تو ہی مُسکرا کر بیٹھے

دَر و جبگر جگایا جس کے بھی چھُپے اِشاروں نے
پردیس میں تب اُسے دیکھ کر شاعری کر بیٹھے

ہم تو ٹھہرے پردیسی کِس کو وطن کا اِنتظار ہے
شکوہ نہیں ڈر نہیں جی جی کر قسمت کیا کر بیٹھے

تڑپنا اور مچلنا اور آہیں بھرنا مُسکان سے کھیل نہیں
ہم تو شرافت سے ہی تیری اصلیت معلوم کر بیٹھے

اُوما[9] اور چھُوہ[10] سے لگاؤ ہے حمید کو بچپن سے
اگیے کو نیوما سے کون کیسے غلط فہمی سمجھ کر بیٹھے



۱۵/اگست ۲۰۰۲ء کو لداخ کے دُور اُفتادہ سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹر نیوما پر منعقدہ ایک قومی تقریب پر فرمائش پر سُنایا گیا۔ اس غزل کو کافی پسند کیا گیا۔

۱:غم، ۲:خوشی، ۳:پھول، ۴:آئینہ، ۵:دل، ۶: ، ۷:غم، ۸:محبت، ۹:دودھ، ۱۰:پانی

سب ڈویژن چنگ تھنگ
ایک نظر میں

واقعہ:

9 33,7اور 34,77 ڈگری کے درمیان مشرقی عرض بلداور 78اور 79 7ڈگری کے درمیان شمالی طول بلد میں واقع ہے۔

حدوداربعہ:

شمال ومشرق سے لے کر جنوب مشرق جانب تبت وچین، جنوب کی طرف ہماچل پردیش مغرب میں بلاک کھارو ولیہہ اور شمال مغرب میں بلاک نوبرا واقع ہے۔

بلندی:

سطح سمندر سے 13 ہزار فٹ سے لے کر 17 ہزار فٹ تک اور کچھ درے اور چوٹیاں اس سے بھی اُونچی ہیں۔

درجہ حرارت:

جون سے ستمبر تک عموماً زیادہ زیادہ ۲۵ ڈگری رہتا ہے۔ اکتوبر سے راتوں کو درجہ حرارت گرتا ہے۔ موسم سرما میں راتوں کو ۱۰ اصفر درجہ سے ۶۰ صفر درجہ حرارت تک گر جاتا ہے۔

موسمی حالات:

دن کو کھلی دھوپ نکلتی ہے مگر تیز وتند ہوائیں چلتی ہیں کہیں جون میں بھی برف ہوتی ہے۔ اسی مہینے بہار آتا ہے اور درختوں پر پتے نکلتے شروع ۶ فٹ اور بارش ۴۰ ملی میٹر۔

جغرافیائی رقبہ:

22266,56 مربع کلومیٹر (پوری ریاست میں سب سے بڑا سب ڈویژن)۔

بلاک نیوما: 1960,69 مربع کلومیٹر

بلاک دربگ: 2658,87 مربع کلومیٹر

سب ڈویژنل ہیڈکواٹر: نیوما

بلاک ہیڈکواٹر: نیوما اور ٹنگسے

نیابت سرکل: ٹنگسے

پنچایت حلقے: نیوما ۱۱ ٹنگسے

آر اینڈ بی سب ڈویژن: نیوما

تحصیل انفارمیشن سنٹر: نیوما

سب ٹریجری: نیوما اور ٹنگسے

جموں و کشمیر بنک شاخیں: نیوما، کیری اور ٹنگسے

پٹواری حلقے: ۱۲

تعداد دیہات: نیوما ۱۸ دربگ ٦

پنچایتیں: نیوما ١٦ دُربگ ۱۸

آبادی: ۱۴۲۰۰ نفوس (ستمبر ۲۰۰۱)

بلاک نیوما ۹۵۷۸ نفوس

بلاک دربگ ۴۶۲۲ نفوس

اس کے علاوہ دونوں بلاکوں میں ۵ ہزار تبتی رفیوجی ہیں۔

تعداد سکول: ۵۸ معہ ۵ ہائی سکول

تعداد ہسپتال: ۳۹ معہ ۳ پرائمری ہیلتھ سنٹر

شیپ ایکٹنشن سنٹر: ۲۳ معہ پشمینہ گوٹ فارم کھُر یل

بھیڑ بکریوں کی تعداد: ۳۱۲۶۹۷ [سروے ۲۰۰۳)

بلاک نیوما ۲۳۶۴۴۷ [سروے ۲۰۰۴]

بلاک در بگ ۷۶۲۵۰

[کل بھیڑ ۱۰۳۳۸۳، کل بکریاں ۱۹۹۴۶۴]

سالانہ پیداوار اُون: بلاک نیوما ۶۷۵۱۰ کلوگرام

بلاک در بگ

پشمینہ: بلاک نیوما ۲۵۹۸۹ کلوگرام

بلاک دُر بگ

گوشت: بلاک نیوما ۳۸۶۹۲۲ کلوگرام

بلاک در بگ

مویشیوں کی تعداد: گائے و بیل ۵۷۳۰ گھوڑے ۳۴۱۵

یاک ۸۷۱۸ گدھے ۱۰۷۳

جنگلی جانور: کیانگ (جنگلی گدھے)

لومڑی ہرن

برفانی چیتے جنگلی بکریاں

شاہ طوس بکریاں جنگلی یاک

پرندے بلیک نیک کریں

پلانٹیشن نرسریاں:

۷ ۳ نرسریوں کا پھیلاؤ ۳۴۴ ہیکٹر وایکٹر رقبہ ہے۔ جن میں ۱۳ لاکھ ۵۶ ہزار سفید، بیداور امبوجا کے درخت اور پودے نصب کئے جاچکے ہیں۔

صحرائی ترقیاتی سکیم:

۵ لاکھ ۵ ہزار پودے نصب کئے گئے ہیں۔

واٹر شیڈ پروگرام:

۱۶ نرسریوں کا پھیلاؤ ۱۶۷ ہیکٹر اراضی پر ہے جن پر پودے نصب کئے گئے۔

ادویاتی پلانٹیشن نرسری:

وادی سندھ کے مغربی کنارے کچالا پہاڑی کے دامن میں ۱۲۲ ایکڑ اراضی پر مختلف ادویاتی پودے لگانے کا تجربہ کیا گیا ہے۔

چراگاہیں:

ڈونگٹی وادی میں سب سے بڑی سکاک جونگ کھریل کا میدان، ننگا زونگ، سکنگ، پوکا، نورچن فارم۔

دریا:

دریائے سندھ جس کا منبع تبت میں واقع کیلاش پربت ہے یہ زریا دمچوک سے لے کر وادیٔ نیوما سے گذر کر آگے لکچے پھر اُپشی زنک تقریباً ۳۰۰ کلومیٹر نیوما بلاک میں گذرتا ہے۔ دوسرا دریا بلاک دربک میں کوہ قراقرام سلسلہ سے شیوک نام کا آگے نوبرا وادیٔ کی طرف بڑھتا ہے۔ تیسرا دریا انلے سے آکر لوما ئیل کے پاس سندھ میں ملتا ہے۔

کمانڈ ائریا آبپاشی نہریں:

نیوما بلاک میں کل لمبائی ۳۶۰۴ کلومیٹر جبکہ دربگ بلاک میں ایسی نہروں کی لمبائی ۱۳۷۲ کلومیٹر ہے سب سے لمبی نہر ٹھاروک نہر ہے جو 114۸ کلومیٹر ہے۔ دوسری لمبی نہر ٹھانگری تھانگ انلے ہے جس کی لمبائی ۸۱۲ کلومیٹر ہے اور تیسری بڑی نہر اور ۷۹۱ کلومیٹر چُما تھانگ ہے۔

جھیل:

سات (پنگوک، چھموریری، یایا، رلمن گ، نمکین جھیل، چھوکر۔

سڑکوں کی لمبائی:

۱۲۰۰ کلومیٹر اس میں سے ۶۲۵ کلومیٹر مسافت کی ۱۳۱ بڑی و چھوٹی سڑکیں روڈس بلڈنگس نیوما کی زیر نگرانی ہیں۔

گرم چشمے:

چُما تھانگ، صمدو، پوگا وادی، چشول دچوک۔

برانچ پوسٹ آفس:

۷ (نیوما۔ کیری۔ گنگیام۔ ھمیا۔ چُما تھانگ ٹنگسے۔ چشول)

ٹیلیفون ایکسچینج: نیوما

اہم راستے:

۱۔ اُپشی سے نیوما سڑک : ۱۳۳ کلومیٹر

۲۔ ماہی سے کرزوک : ۵۷ کلومیٹر

۳۔ ماہی پُل سے کروزک : ۵۷ کلومیٹر کے حصے میں

(اس راستے صمدو، تھرسنگ جھیل اور چھوریرے جھیل آتا ہے)

۴۔ اُپشی سے سرچو: ۲۲۰ کلومیٹر

۵۔ اُپشی سے سرچو (منالی جنرل سڑک): ۲۲۰ کلومیٹر

(اس سڑک پر میرو، گئے، رُمستی، ٹنگلن گا درہ اور سرچو تک لداخ کا حصہ ہے)

۶۔ سرچو سے صمدو : ۱۲۰ کلومیٹر

۷۔ صمدو کالونی سے سرچو (منالی سڑک): ۱۲۰ کلومیٹر

(پوگا وادی، تھُکجے گھمپا، چھوکر جھیل، کھرناک اور صمدروکچن آتا ہے)

۸۔ نیوما سے انلے	:	۸۰ کلومیٹر
۹۔ لوما سے انلے	:	۶۰ کلومیٹر
۱۰۔ لوما سے دمچوک	:	۱۲۱ کلومیٹر
۱۱۔ لوما سے چشول	:	۷۶ کلومیٹر
۱۲۔ چشول سے فویرانگ	:	۷۰ کلومیٹر
۱۳۔ چشول سے ٹنگسے	:	۷۰ کلومیٹر
۱۴۔ ٹنگسے سے شیوک	:	۳۵ کلومیٹر
۱۵۔ ٹنگسے سے کارو	:	۸۰ کلومیٹر
۱۶۔ کچالاپل سے چمور	:	۶۰ کلومیٹر

لداخ کا مشرقی جنوبی حصہ چنگ تھنگ پر مشتمل ہے۔ یہ تبت کے مغرب میں واقع ہے۔ چنگ تھنگ کے معنی تبتی زبان میں شمالی میدان Northern Plain ہے۔ چنگ تھنگ کے متعلق ایک لداخی مُصنف اُسے The Great Plains of Ladakh پُکار کر لکھتا ہے۔

The reason of this northern plain namely is that these plateaux of south eastern ladakh do in fad from a continuum white Tibets vast northern plain. In this region the lofty Zanaskar and Ladakh ranges enfold a complex system of ridges and valleys repshu, Kharnakh, Hanle and Khoyal South of the Indus and Chushul and Durbuk to its north. At an average of 5000 meters the altitude is too great to allow successful agriculture and the sporse local population known as changpa make a precariou living hearing floks of sheep poshmina goats and yak, moving from posture to pasture on a well-thoughtout system.

ضلع لیہہ کے متعلق کچھ جانکاری

۲۰۰۵ء کے مطابق

جغرافیائی رقبہ ۸۲۶۶۵ مربع کلومیٹر

اس میں سے مشرق شمال طرف ملک چین نے ۳۷۵۵۵ مربع کلومیٹر کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔

زمینی رقبہ	:	۴۵۱۶۷ سیکٹر
مختلف درختان	:	۶۶۱۶۰
جنگلات کے رقبہ	:	۲۹ مربع کلومیٹر
دیہات ریکارڈ	:	۱۱۳
بلاک	:	۶ نیوما در بگ کھلسی کھارو نوبرا لیہہ
ڈاک خانے	:	۵۵ بشمول ہیڈ پوسٹ آفس لیہہ
ٹیلگراف سنٹر	:	۱
نیک شاخیں	:	۱۵
آبادی	:	۱۱۷۲۳۲ (مرد:۶۴۳۰۶، خواتین:۵۲۹۲۶)
مویشیوں کی تعداد	:	۵۰۴۱۴
بھیڑوں کی تعداد	:	۱۵۶۵۸۱
بکریوں کی تعداد	:	۲۴۲۴۴۳ یعنی ۱۵۶۴۹۳ پشمیہ بکریوں سمیت
پولٹری جانور	:	۷۵۴۷



کشمیری آزاد نظم

لداخ میں قیام کے دوران راقم نے کل ۱۲ نظم کشمیری زبان میں تحریر کئے جبکہ اُردو میں ۴۰ کے قریب۔ شاعری کی نہیں جاتی ہے آجاتی ہے اس کا بخوبی اندازہ لداخ میں ہی ہوا۔ راقم ایک مضمون نگار نثر نگار سے جانا جاتا رہا پھر بھی شاعری اُبل پڑی۔ کشمیری میں لکھا میری پہلی نظم ہے جو میرے آنے کے بعد صرف ایک ماہ بعد ضبط تحریر میں آیا۔

بالہ تھونگین گُن نظراہ تراوِتھ
سورمہ گاش زن باسان وِتُس گوُمت
شامہ ژھایو گاش یکدم نو نگلاوٗ
مخمل انہ گوٹ گوزن نُون
شام غم کوتاہ کریوٗتھ پیو
نب چھُ صاف تہ تارکھ پریزلان
زونہ گاشش بیوٗتھ اُو برژروٹ
بے قراری ہیُند آلو ہتس منز بند گوُمت
ریشمی رومال گیہ روٹہ
دونوے ژھوپہ کرتھی
شامہ پیٹھ فون کرنک بہانہ گوفوت
سُہ آہینہ ونہ کیا
کیازہ چھُس پگاہ نیرن تہ یُن رتی واپس

Changing Development in Nyoma

By Hamid-ullah Hamid

Nyoma is connected with Leh by macadamized and also from chasool side it is macadamized 45 kms up Tsege. TC buses two private buses running from Leh in a week here. Further two bus services Leh to Anlay and Koyodul also runs through Nyoma Valley. The H.Q. is connected with circular road from Indus Bank to TR colony, Auditorium Hall Govt. Quarter, Bus stand and village.

PWD Dak Banglow and forest rest houses has been constructed here to staying V.I.P's on the tour to Nyoma block. The accommodation facilities have been provided to the officers employees of various department already as 50 Government quarters have been allotted constructed during the two decades. Nyoma bazaar is having one dozen shops including cooperative consumer store for supplying essential commodities to the public. Further a

ration store of food supplies keeps available rice, flour, salts and K.Oil to the consumers. The gas connection is also available here. A diesel generator set of 165 KV is ment for providing to Nyoma village and government quarters while as solar plant is providing electricity facilities TR colony essential services Midh and Nidder village, This 40 KV solar plant was established in the year 1999 with an expenditure of Rs. 1.80 crore which is a first electronic solar plant in the J&K state having 220 battaries and 530 pannels having capacity of 350 connecting.

Many project works have been completed at Nyoma while some are under execution because of allotment of additional funds yearly Rs. 10 crore under Border Area Development programme (China Border) for sub division change since year 1999 the preference was given for development of Nyoma for its modern beautification.

During the period so many projects including Agricultural complex sheep, complex, Auditorium hall, Saria Complex, Conference hall, Indoor Stadium officers club some officers building Hally pade and higher secondary school

complex were constructed. Though during last six years. While as some works are under execution. The work is on going Sub District Hospital Rs. 2.50 Crore and two blocks of Higher Secondary school Hostel Building by Rs. 3.91 crore.

According to the programme as directed and decided in the meeting of executing counselors of LAHDC with public of Nyoma in year 2003 so many works are proposed to be taken in hand such as Mini Stadium, Ic e Hocky, ring cultural centre and pahoo link road etc with estimated cost of Rs. One crore after that the Nyoma valley will be looked more attractive.

At present 175 students including 60 girls are studying in high school Nyoma having 15 teaching staff were science laboratory, library and other facilities are available.

In the tribal Hostel 100 boys and girls a for flung area have been facility of boarding and lodging. Further one Kandrya Vidyala school has been opened here in year 2002 which provide English medium education to 47 children.

There are 2 4 state government officers including SDM, PWD, Information, Sheep Rural

Development and other department located for servicing of the public having 150 staff members moreover govt. of India has established custom post which, the first of its kind in while Ladakh region Primary Health Centre Nyoma is main hospital of the block treating the patients with satisfaction and supplying of free medicine.

This centre is equipped X-ray, Plants, Ultra Sound facility ECG machining laboratory and two Ambulances. The total medical staff of 24 members including three doctors treading the patients here.



عید الفطر: خوشی اور امن بانٹنے کا تہوار

ہر مذہب اور قوم میں کوئی نہ کوئی دن ہر سال ایسا مخصوص ہوتا ہے جو ہر گھر کے لئے باعثِ خوشی ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمان قوم میں سال میں دو ایسے مواقع آتے ہیں جن کو عید کا نام دیا گیا ہے۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ، جن کو عُرفِ عام میں چھوٹی عید اور بڑی عید بھی کہا جاتا ہے۔ ماہِ رمضان المبارک کے روزوں کے بعد ایک روز عید الفطر اور ذی الحج کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخ سہ پہر تک عیدِ قربان منایا جاتا ہے۔ روزوں کے شُکرانے کے لئے عید الفطر ہے۔ عید کے معنی خوشی کے ہیں۔ یہ عید عالمِ انسانیت کے لئے سبق آموز ہے۔ رمضان میں دن کو کتنی بڑی نعمت سامنے آئے ہاتھ نہیں لگانا ہے۔ اگر کافی پیاس لگے مگر پانی کے گلاس کو ہونٹوں تک نہیں لینا ہے۔ ضبطِ نفس سے کام لینا ہے۔ بُرے کاموں سے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ عام بندے کو کھانے پینے سے پرہیز کرنے کے علاوہ حلال کمائی کرنی ہے اور جھوٹ فریب ومکاری لالچ رشوت دھوکہ بازی اور گالی گلوش کے علاوہ دوسرے بُرے کاموں سے بچنے کی کوشش کرنی ہے۔ خاص الخاص بندے اور عارفوں کو دل ودماغ پر بھی ضبط ہوتا ہے۔ عید آنے سے پہلے شُکرانے اور روزوں میں ہوئی کوتاہی کے لئے ہی غریبوں، بے سہاروں، بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کو صدقہ فطر دینا ضروری ہے۔ جس طرح رمضان میں خیر وبرکت اور حکمت ہے۔ اِسے رحمت، مغفرت اور نجات کا مہینہ قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح عید خوشی اور امن بانٹنے کا تہوار ہے۔ خوشی تب ہے جب امن ہے۔ خوشی کو برقرار

رکھنے کے لئے امن و آشتی ضروری ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں، خوشی کے بغیر امن حاصل نہیں ہوتا اور خوشی امن کے بغیر حاصل نہیں ہوتی"۔

اس کا مطلب ہے کہ خوشی اور امن لازم و ملزوم ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہٗ فرماتے ہیں۔ "امن کی طرف راستہ مل جانے کی صورت میں خوف کی حالت میں مقیم رہنا نادانی ہے"۔

عید خوشی کا دن ہے۔ اس روز نئے ملبوسات پہننا سنت ہے۔ گھروں میں باقی ایام کی نسبت لذیذ پکوان پکانے جائز ہیں۔ بچوں کی عیدی دینا ضروری ہے۔ کھیل کود اور گانا شریعت کی حدود میں رہ کر جائز ہے۔ عید کے روز رشتہ دار دوست و احباب سے گلے ملتے ہیں۔ مُبارک باد دیتے ہیں۔۔۔۔ ہوئے افراد کے گھرانوں میں جا کر ان کو تسلی دی جاتی ہے۔ تب تک اُس مسلمان فرد کی عید نامکمل ہے جب تک کہ نہ وہ صبح کے بعد دوپہر سے پہلے پہلے عید گاہ اور مسجد جا کر دو رکعت اجتماعی نماز نہ پڑھے اور خطبہ نہ سُنے۔ عید گاہ جانے سے پہلے نہانا، سُرمہ لگانا اور خوشبو مَلنا سُنت ہے۔

رحمتٌ للعالمین، محسن اِنسانیت حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے۔

"آپس میں تحفہ تحائف دیا کرو۔ اس سے محبت بڑھتی ہے"

عید کے روز غیر مُسلمان تو مسلمان کو مبارک باد دیتے ہیں۔ اس سے آپسی رواداری اور میل جول بڑھتا ہے۔ ہر مذہب سکھاتا ہے اس سے آپسی رواداری اور میل جول بڑھتا ہے۔ ہر مذہب سکھاتا ہے آپس میں نزدیک رہنا نہ کہ بیر رکھنا۔ تحفہ و تحائف لینا اور دینا شریعت کے حدود میں رہ کر جائز ہے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

عید کے دن سب ملیں گے اپنے یار سے
یاالٰہی میں ملوں گا گُل کے بدلے خار سے

عید خوشی پھیلانے کا نام ہے۔ رشتوں اور دوست واحباب کے درمیان ہوئی دوریاں اس روز مٹنی چاہیں۔ جہاں محبت میں خلیج پیدا ہوئی ہو۔ ان کو ایک دوسرے کے نزدیک لانا ہے۔ بدگمانیوں سے بچنا ہے۔ یہی عید کا پیغام ہے۔ جو قیدی میں جلاوطنی میں ہیں یا مسافر ہیں اور پردیش میں کسی کام سے رُکے ہیں ان کو عید کے روز بھولنا نہیں ہے۔ مظلوموں و بے سہاروں کی مدد اور دلجوئی سے ہی عید ہے۔ اسی کو عید کا نام دیا جاسکتا ہے۔ جب دوسری آنے والی عید تک محبت واخوت، بھائی چارہ، امن وآشتی اور ایک دوسرے کے مذہب کو عزت کرنا برقرار رہے۔ تب ہی خوشی ہے۔ صرف لذیذ کھانے کھا کر، فیشن ایبل ملبوسات جشموں پر سجا کر اور جھوٹی شان رکھ کر زیادہ اصراف کرنے کا نام عید نہیں ہے۔ بلکہ اعتدال پسندی سے عید منانا ہی سچے معنوں میں عید ہے۔ عید کے روز مسلماوں کو ذکر واذکار اور درود شریف کا بھی ورِد کرنا چاہیے۔ ناجائز کاموں سے بچنا چاہیے۔ عالم انسانیت کی بقاء کے لئے اسلام، ہندو دھرم، بُدھ مت، سکھ مذہب اور عیسائی و دیگر مذاہب کے ماننے والوں سے کوئی نفرت نہیں بلکہ محبت رکھنا ضروری ہے۔ یہی عید کہلانے کا نام ہے۔ تب ہی عید شان سے آتی ہے اور خوشی برساتی ہے۔ بقول کشمیر کے ایک شاعر مرحوم غلام نبی ظہور

ہو مبارک سب کو اپنے شان سے آتی ہے عید
مُسکراتی اور خوشی کے پھول برساتی ہے عید

[آل انڈیا ریڈیو سٹیشن لیہ لداخ سے ۶ر دسمبر ۲۰۰۲ء کو شام کے وقت لداخی زبان میں ترجمہ کر کے نشر ہوا]

انلے: لداخ کی کھُلی وادی

انلے وادی ایک کھلی چراگاہ ہے۔ جہاں سال بھر مال مویشی چرتے رہتے ہیں۔ اس جگہ کی تاریخی اہمیت اس طرح ہے کہ مقبول راجہ سنگھی نمگیال کے دور کا قلعہ آج بھی آن شان سے بھی موجود ہے۔

جب مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں لداخ کو جنرل زورآور سنگھ نے ریاست کے ساتھ ملایا اور پھر تبّت چڑھائی کی۔ تبتی فوج نے اِس کاروان کو واپس دھکیلا اور انلے کے ہی مقام پر زورآور سنگھ مارا گیا۔

ڈویژنل نیوما ہیڈ کوارٹر کے جنوب جانب انلے ۹۰ کلومیٹر دور ہے۔ اس علاقہ کی سرحد مغرب جنوب کی طرف ہماچل پردیش سے ملتی ہے وہیں جنوب مشرق کی طرف یہ تبّت سے جڑا ہوا ہے۔

نیوما سے لوما پُل تک سے جو شاہرا گذرتی ہے ادھر جہاں مشرق جانب ایک سڑک ژھاگہ وچشول جاتی ہے وہیں پُل کے پار دریائے سندھ کے کنارے کنارے پہاڑوں کے دامن سے مشرق اور پھر جنوب جانب ڈونگٹی وکوئیول سے ہوکر دمچوک دوسری سڑک جاتی ہے۔ تیسری سڑک جنوب کے طرف اِس طرف اسی پہاڑی کے دامن سے انلے کی طرف رُخ کرتی ہے۔ پُل کے ہی پاس دریائے سندھ میں انلے کے سے آیا دریا جاملتا ہے۔ سڑک کی خستہ حالی سے راستے سے ہٹ کر ڈرائیور صحرائی میدان سے گاڑیاں چلاتے ہیں۔ برابر ٦٠ کلومیٹر انلے وادی کے پہلے کھلدو گاؤں تک کوئی گاؤں نظر

نہیں آتا ہے۔ لمبے سفر میں کہیں کہیں بھیڑ بکری پالنے والے خیموں میں بود باش کرتے ہیں۔ کہیں کہیں سڑک کے کنارے مانے دیوار اور GREF کے نصب کردہ تارکول ڈرم اب راستہ کی موجودگی کا پتہ دیتے ہیں۔ جنگلی جانور رفے (زیر زمین موٹے چوہے)، کیانگ (جنگلی) اور لومڑیاں دوڑتی ہیں۔ رنگو سے ۲۵ کلومیٹر سڑک کے بائیں طرف یعنی مشرقی پہاڑی سلسلے سے جڑی لال پہاڑی اس علاقے کی اہم شناخت ہے۔ ادھر قدیم زمانے سے نکالی گئی دریا کے کنارے ارگیشن کنال لال پہاڑی معروف ہے۔ رنگو سے انلے تک مغرب اور مشرق پہاڑی سلسلوں کے درمیان کھلی صحرائی وادی سے سڑک گذرتی ہے۔ رنگو سے آگے کچھ کلومیٹر رقبہ کا چرائی کے لئے مخصوص ہے۔ دریا کے کنارے تار بندی اس لئے کی گئی ہے۔

انلے وادی میں داخل ہونے سے پہلے چوٹی کے اوپر قلعہ ہے اور پھر پل کے پار کھلدو گاؤں آتا ہے۔ اس چوٹی پر بنے قلعہ سے وادی کا بھرپور نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ اندازاً وادی ۵۰ کلومیٹر پر محیط لگتی ہے۔ جس کے بیچ میں تکون شکل کی علیٰحدہ پہاڑی اس کے خدوخال پیش کرتے ہیں۔ اس پہاڑی پر دامن سے چڑھا کر کاٹتے ہوئے سڑک تعمیر کی گئی ہے۔ چوٹی پر بھی چاند تاروں کے مشاہدے مرکز ۲۰۰۱ سے قائم ہے جو دنیا میں اونچی جگہ پر واقع پہلا مرکز ہے۔ مرکزی حکومت کے تحت ۲۰۰ کروڑ روپے کے خرچہ سے تیار کیا ہے۔ اس کا دوربین قطر ۲ میٹر ہے۔ پہاڑ دامن سے چکر کاٹتے ہوئے مغرب جانب سڑک آگے گذرتے۔ جدید طرز کا گھمپا بودھ مت ہے۔ اسے تاشی چھلنگ گھمپا کہتے ہیں۔ سال بھر یہاں لاماؤں کا رش رہتا ہے۔ یہاں چماؤں (لڑکیوں) کو بھی بودھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اِدھر سر سبز شاداب چراگاہ کے

ساتھ ایک چشمہ اسی چوٹی کی چٹان سے اُبلتا ہے اور آگے پانیوں جھرنوں کی شکل اختیار کرتا ہے۔ انلے وادی کے جنوب مغرب میں پانگوک اور جنوب مشرق میں ٹک شیڈو گاؤں واقع ہے۔ پانگوک میں تبتی رفیوجی کالونی ہے۔ گرم، مٹر اور چارہ کے چھوٹے چھوٹے کھیت نظر آتے ہیں۔ پوری وادی کی آبادی جو دور دور آباد ہے صرف ایک سو گھرانوں پر مشتمل ہے۔ آبادی قریباً ایک ہزار نفوس ہے۔ اس میں سے صرف ۶۰ بچے ان گاؤں کے سکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔ جہالت غربت کی وجہ سے بچے کم ہی سکول جاتے ہیں۔ حکومت نے تعلیمی سہولیات کے علاوہ اِدھر میڈیکل ایڈ منسٹر بھی کھولا ہے۔ اِدھر سولر لائٹس سے روشنی کا بندوبست ہے۔ ڈیزل جنریٹر لگانے کے لئے اقدامات ہو رہے ہیں۔ (۲۱ر نومبر ۲۰۰۴ء)

(راقم تو کئی بار انلے دوروں پر گیا ہوں۔ سڑک کی خستہ حالی کی وجہ سے سفر کافی کٹھن رہتا ہے۔ آج تو آئے ہوئے دوسرا روز ہے)



نیوما بلاک ___ کا تعلیمی دورہ

رقبے کے طور ریاست جموں وکشمیر کا نیوما بلاک اول نمبر پر ہے۔ کم آباد والے نیوما سرحدِ چین پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے ۱۳ ہزار فٹ سے لے کر ۱۷ ہزار فٹ بُلندی پر واقع ہے۔ کچھ چوٹیاں اس سے بھی اونچی ہیں۔ آکسیجن کے کم ہونے سے ہوا میں نمی نہیں اور اکثر تیز وتُند ہوائیں کوہساروں کے اوپر تک ریت کو اُڑائے جاتی ہے۔ کچھ مقامات پر جون جولائی میں بھی تھوڑی برف باری ہوتی ہے۔ سالانہ برف اوسطاً ۴ فٹ سے ۶ فٹ تک ہوتی ہے۔ جبکہ بارش ۶۰ ملی میٹر سالانہ۔ سال ۲۰۰۴ء میں برف باری کی کمی، گلیشروں کے حجم کر رہ جانے اور سکڑنے کی وجہ سے بیشتر ندی نالے سوکھ گئے اور دریائے سندھ بھی زیادہ پانی خارج نہ کر سکا۔ خشک سالی کی وجہ سے نومبر اور دسمبر کے مہینوں میں بھی دن کو دھوپ نکلتی رہی۔

گو کہ چنگ تھنگ کی معیشت کا دار مدار مال مویشی پر ہے اور تقریباً ساری آبادی اسی پر گذارہ کرتی ہے۔ مگر چند برسوں سے لداخ کے اِن دور اُفتادہ علاقہ جات جو کہ نیوما اور دُربگ بلاکوں پر مشتمل ہیں، میں چھوٹے بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے اور سہولیات فراہم کرنے کے لیئے سرکاری طور اور لداخ کی رضا کار تنظیمیں کافی سرگرم عمل ہونے لگیں۔ ماہ نومبر ۲۰۰۴ء کو شک بگو لا ایجوکیشن مہم تقریبات ہفتہ بھر پورے چنگ تھنگ میں منائی گئیں۔
[اس مہم کا آغاز ہائی سکول نیوما سے افسروں اور کونسلروں کی قیادت میں نکالی

گئی ریلیے سے ہوا جس میں والدین، ملازمین، اساتذہ اور طلباء طالبات کے علاوہ لیہ سے آئے سکول آف ایجوکیشن کلچرل مومنٹ آف لداخ (SECMOL) نمائندوں نے حصہ لیا۔ مین چوک میں یہ ریلیے اختتام پذیر ہوئی اور نیوما مد، ندر اور تبتی کالونی سے آئے مرد و زن بھی نعرے دیتے ہوئے آئے۔ کئی آفیسران اور نمائندوں نے اس مہم کی اہمیت وافادیت کے متعلق لیلکچر دئے۔ اگلے روز اِسی نوعیت کے جلوس نیوما کے مغرب جنوب میں واقع ۸۰ سے ایک سوکلومیٹر دُور صمد، کھرناک اور پوگا وادی میں بھی ہوئیں۔ دُربگ بلاک میں اس قسم کی تقریبات میں شرکت کے لئے نیوما ہیڈکواٹر سے ایس ڈی ایم مسٹر علی رضا روانہ ہو چکے تھے۔

۱۹ رنومبر ۲۰۰۴ء کو صاحب کتاب کی قیادت میں دس نفری ٹیم تین سومو گاڑیوں میں بلاک نیوما کے جنوب اور مشرقی حصوں کی طرف روانہ ہوئی۔ ڑھا گہ میں میری اسی شام ٹیم کھُریل سے ہو کے واپس لُوما پہنچے اور جنوب کی طرف دریائے سندھ پر لگے پُل کو پار کر کے ڈونگٹی وادی سے ہو کے کوئیول آئے۔ آڈیٹوریم ہال میں شام سے ہی لوگ جمع ہو چکے تھے۔ سگمول SECMOL کے نمائندے شری دُرجے نیوما ہوسٹل کے وارڈن نوانگ اور مقامی سرپنچ نے بکولا ایجوکیشن پروگرام کی وضاحت کی۔ رات کے دس بجے تک یہ محفل جمی رہی۔ اِدھر سماجی کارکن رنگڈول نے اپنے گھر میں کھانے پینے اور ٹھہرنے کا انتظام کر رکھا تھا۔ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کوئیول میں رات کے وقت سخت سردی پڑتی ہے۔ یہ پہاڑوں سے گھری تنگ وادی ہے۔

اگلے روز یعنی ۲۰ نومبر کو ناشتہ کے بعد کوئیول سے نکلے (فوٹوگرافر کے علاوہ ویڈیو کیمرہ کا بھی ساتھ ساتھ انتظام تھا لہٰذا اس کے متعلق مکمل جانکاری

اُسی فلم میں مل سکتی ہے جو SEC MOL بھی تیار کر رہی ہے۔ اور راقم بھی ویڈیو کیسٹ اور سی ڈی کیسٹ تیار کرنے جا رہا ہوں (آدھ پونہ گھنٹہ کے بعد ہم ڈونگٹی وادی پہنچے اِدھر تبتی رفیوجی مال مویشی ساتھ لیئے رہتے ہیں۔ ہم کو ربو (خیمے) میں لے جا کر چائے پلائی گئی۔ اس کے مشرق جانب دریائے سندھ پار چین کے زیر قبضہ حصہ نظر آتا ہے۔ ڈونگٹی کے آخر پر آئی ٹی بی کیمپ ہے اور چشمے سے پانی پھوٹتا ہے۔ ٹانگر مالے پہاڑی سلسلہ اِدھر سے مغرب جانب پوری ڈونگٹی وادی کی طرف کھڑا ہے اور دریائے سندھ کے پار دمچو لے چین کی تجارتی منڈی پہاڑ پر دوربین سے دیکھی جاسکتی ہے۔ ہم لوما پہنچے موڑ پر اور پھر ٹانگر مالے کے اس طرف نکلی وادی یعنی جنوب مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔ دریائے انلے کے کنارے کنارے یہ سڑک چلتی رہتی ہے۔

بعد دوپہر ہم رنگو پہنچے۔ دریا کے پار کنارے پر واقعہ یہ گاؤں کافی چھوٹا ہے اور پسماندہ بھی۔ اِدھر ڈاک بنگلے کے احاطے میں جمع والدین سکولی بچوں سے رنگڈول، نیوما بلاک ایجوکیشن کے چیرمین، کمرزوک کے کونسلر گورمت دُرجے اور سگمول کی نمائندہ مس ژھرنگ ڈولکر نے اُن بچوں کو مقامی پرائمری سکول میں داخل کرنے اور تعلیم کے حصول پر زور دیا جو بھیڑ بکریوں کو پالتے ہیں۔ اس موقعہ پر سکول کی ٹیچر نے مجھے یہ جانکاری دی کہ اس سال سے بچوں کی تعداد بڑھنے لگی۔ سکول میں تین اُستانیاں ۲۵ بچوں کو پڑھاتی ہیں اور سکولی عمارت پختہ مضبوط اور دیدہ زیب ہے۔ اِسی چھوٹے بچوں کو کھانا کھلائے اور بنیادی تعلیم دینے کا بھی ہم نے مشاہدہ کیا۔

دوپہر کھانے کے بعد یہ ٹیم آگے روانہ ہوئی اور ۶۰ کلومیٹر کا فاصلہ ۳ گھنٹوں میں طے کر کے انلے وادی پہنچی۔ اِدھر کھلدو میں ولیج ایجوکیشن کمیٹی

نے رات کے ٹھہرنے اور کھانے پینے کا بندوبست کرر کھا تھا۔ چائے کے بعد ہماری پارٹی دوحصوں میں بٹ گئی۔ تاکہ انگلی وادی کے تمام چھوٹے دیہات اور کالونیوں میں تعلیمی Movement کو پہنچایا جاسکے۔ زونل ایجوکیشنل آفیسر تاشی ٹنڈوپ کی قیادت میں چارنفری پارٹی بُوک اور شیڈو چلی۔ بوک انلے میں یہ فیصلہ ہوا کہ ویلیج ایجوکیشن کمیٹی کی چیرمین مس سپلڈون اِدھر کے ہیڈ ماسٹر کے ساتھ مل کرر بو کیمپوں میں جاکر تعلیم کے متعلق آگاہ کرنے کا کام سنبھالا۔ راقم کی قیادت میں ٹیم پانگوگ کی طرف روانہ ہوئی۔

مہمان خصوصی حمید اللہ نے کہا کہ دنیا تیزی سے جو ترقی کررہی ہے وہ تعلیم کی بدولت ہے۔ دنیا میں امریکہ اس لئے آگے ہیں وہ سمے سے پہلے تعلیم میں ترقی کر گئے۔ اب بھارت بھی تعلیم میں آگے بڑھنے لگا ہے اور جو خوشحالی اور ترقی اس ملک میں ہورہی ہے۔ وہ تعلیم کی بدولت ہے۔ ۳۰ ریاستوں میں جو سٹیٹ تعلیم میں سو فیصد ہے کیرلا کتنی ترقی کررہی ہے۔ اور وہاں شانتی کے علاوہ معاشی حالات ٹھیک ہو چکے ہیں۔ ہمسائیگی میں ہماچل پردیش میوہ اور سبزیوں کی پیداوار میں کافی آگے ہے وہ بھی لداخ کی طرح پہاڑی حصہ ہے اور سیاحت کی بدولت پھلی پھولی ہے آخران کی ترقی کا کارن یہی ہے کہ وہاں شرح خواندگی ۷۰ فیصد ہے۔ لداخ کے ہل کونسل نے لداخ میں صحت اور ایجوکیشن سیکٹروں کی طرف کافی توجہ دی اس تعلیم سے کئی سالوں سے لیہہ شہر میں تبدیلی نظر آرہی ہے۔ وہاں تعلیم کی شرح ٦٠ فیصد تک پہنچنے لگی ہے۔ کوشک بکوالا ایجوکیشن مہم کا مقصد یہی ہے کہ دور افتادہ جگہوں پر تعلیم کو بڑھاوادیا جائے۔ عربی میں قرآن میں ہے :مِن الظلمٰن الی النور۔ یعنی اندھیرے سے روشنی کی طرف آجاؤ یعنی تعلیم کی طرف۔ تعلیم کی مثال یہی

ہے کہ اس ہال میں روشنی ہے اور باہر جو گھپ اندھیرا ہے وہ جہالت ہے یعنی ان پڑھ رہنا۔ یہ تعلیم ہمیں انسانیت، بھائی چارہ اور برے بھلے میں فرق کرنا سکھاتی ہے۔ اس لئے حکومت اور رضا کار تنظیموں کی طرف سے چپالو کی گئی تعلیمی سکیموں سے فائدہ اٹھانے کا یہ موقع ضائع نہ کرو جب ہم دوسری مرتبہ آئیں تو ان بچوں کو بھی سکولوں میں پائیں جو آج بھیڑ بکریوں کے پیچھے ہیں۔

رات کے نو بجے دونوں جگہوں سے پارٹیاں واپس کھلد وانلے پہنچیں۔ اگلے روز مڈل سکول انلے کے گراؤنڈ میں لوگ جمع ہو گئے۔ تو دھوپ کی وجہ سے موسم سہانا رہا۔ اس تقریب پر سٹیج سیکرٹری کے فرائض شری رنگڈول نے انجام دئے جبکہ انفارمیشن آفیسر شری حمید اللہ کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کرنا پڑی۔

زونل ایجوکیشن آفیسر پلاننگ نے اس موقعہ پر کہا۔ لوگ جینے کے لئے مرتے ہیں میں جینے کے لئے کھاتا ہوں۔ لوگ کھانے کے لئے جیتے ہیں۔ اس مثال کی طرف یہ اشارہ ہے۔ تعلیم ہی ہمیں یہ سبق دیتی ہے کہ جینے کے لئے پیٹ بھرنا ہے نہ کہ پیٹ بھرنے کے لئے جینا۔ تعلیم ہی ہمیں حسن سلوک سکھاتی ہے۔ لداخ میں امن وشانتی کا ماحول ہے اور تعلیم کے حصول کے لئے یہی ضرورت ہے۔ اگر لیڈروں، والدین اور ٹیچروں میں آپسی ہمدردی نہیں تب ترقی ہی نہیں۔ ترقی کے لئے تعلیم لازم ہے۔ غریبوں کی امداد کرنا تعلیم کا مقصد ہے۔ مہاتما گوتم بدھ کی یہی تعلیم ہے۔ ریگزین وارڈن ٹرائبل ہوسٹل نے اس موقعہ پر والدین کو ہی بچوں میں تعلیم کی کمی کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ اگر سکول میں ٹیچر تو ہیں بلڈنگ تو ہو مگر بچے نہ ہونے کے برابر۔ کونسلر کرروگ گورمت نے خطاب میں کہا کہ تعلیم کے مقابلے دولت اور بھیڑ بکریا کچھ معنی نہیں

رکھتیں۔ ہماری زندگی میں تعلیم کو داخل کرنا بہت ضروری ہے۔ لداخ کی پسماندگی دور کرنے کے لئے اہل کونسل میں تعلیم کی فلائی اور تعلیمی پروگراموں کو حاصل کرتے رہو۔ نمائندہ سکمول مس ژھرنگ ڈولکر نے کہا کہ مردوں اور عورتوں کا تعلیم میں بھی برابر حصہ رہنا چاہیے۔ چنگ تھنگ کے اکثر سکولوں میں لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہی ہے۔ ان پڑھ گھریلو عورتوں کو بھی ولیج ایجوکیشن کمیٹیوں میں ہونا چاہیے۔ شری ژھوانگ درجے سکمول کے ایک اور نمائندے نے اساتذہ کی عزت کرنے انکے ساتھ تبادلہ خیالات کرنے اور سکول کے مسائل اجاگر کرنے کے لئے وہاں موجود لوگوں کو چتاونی دی۔ بلاک ایجوکیشن کمیٹی کی چیئرمین اور چیئرمین ولیج کمیٹی نے لوگوں سے کچھ سوالائے کئے اور مقررین نے جواب دئے۔ آخر پر مہمان خصوصی حمید اللہ انفارمیشن آفیسر نے تعلیم کے درختوں کی مثال دے کر پیش کیا۔ اگر ان درختوں کو سیراب نہ کیا جائے تو سوکھ جائیں گے۔ اسی طرح اگر کسی بچے کو اس دور میں بھی سکول نہ بھیجا جائے تو وہ اپنے ماں باپ کی طرح بے خبر ہی رہے گا۔

بعد دوپہر تقریب کے اختتام کے بعد یہ ٹیم تاریخی گھمپا اور راجہ سنگھی نمگیال کے قلعے کو دیکھنے کے لئے چوٹی پر چڑھی اور ۵ بجے تین گاڑیوں میں روانہ ہوکر شام کے ساڑھے آٹھ بجے نیوما پہنچیں۔ اگلے روز نیوما کے کانفرنس ہال میں اس مہم کی آخری تقریب ایس ڈی ایم علی رضا کی صدارت میں ہوئی۔ بلاک آفیسران، اساتذہ، سرپنچوں، نمبرداروں اور دیگر نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔ بلاک ایجوکیشن کمیٹی کی جانب سے ایس ڈی ایم کے علاوہ انفارمیشن آفیسر، بہاک ایجوکیشن آفیسر، ہل کونسل کے کونسلر کرزوک اور دیگر آفیسران کا شکریہ ادا کیا جنہوں نے پورے چنگ تھنگ میں تعلیمی آگہی

پروگرام کو کامیاب کرنے پر دور دور تک دورہ کیا۔ آخر پران آفیسران کو کتھک بھی پہنائے گئے۔

نوٹ: لداخ کی بیشتر تقریبات میں مقررین لداخی زبان میں ہی بولتے ہیں کیونکہ عام لوگ اردو اور ہندی نہیں سمجھتے۔ سرکاری تقریبات میں اگرچہ ہمارے حاضرین یہ دونوں زبانیں سمجھ سکتے ہیں مگر پھر بھی لداخی مادری زبان میں ہی لیکچر دینے کو اہمیت دیتے ہیں۔



کتاب کی ترجمہ کاری

کوئی صاحب اگر چاہے کہ اس کتاب کا کسی ملکی و غیر ملکی زبان میں ترجمہ ہو یا کسی مضمون کا علیحدہ طور Translation تو اس سلسلے میں ازراہ قانون مصنف سے باضابطہ اجازت نامہ وصول کرنا ضروری ہے۔

رابطہ کے لئے پتہ ڈاک سے

حمید اللہ حمید
بیت الظہور
تملہ ہال (شاہورہ) پلوامہ کشمیر 192301
ای میل پتہ: huhamidshah@gmailc.om
فون نمبر: 9858753661

ژھاگہ سرحد پر خطاب

لداخ خطّے کا سب ڈویژن چنگ تھنگ پوری ریاست میں جغرافیائی خدوخال، سخت موسمی حالات اور دیگر معاملات میں منفرد ہے۔ تقریباً پندرہ ہزار نفوس آبادی میں دو ہزار سے بھی کم لڑکے اور لڑکیاں سکول جاتی ہیں۔ ان دو بلاکوں میں بلاک نیوما بڑا ہے جو ریاست کے تمام بلاکوں میں رقبے کے لحاظ سے بڑا ہے۔ اس بلاک میں تین ہائی سکول سمیت ۳۸ سکول ہیں۔ کوئی ایسا بھی گاؤں ہے جہاں سکول میں بچے ایک درجن سے کم ہیں اور ٹیچر دو یا تین۔ کہیں بچّے دو ہیں تو ٹیچر بھی دو۔ کسی علاقے کی اقتصادیات کا انحصار معیشت پر ہوتا ہے جو وہاں ہو۔ مگر جہاں تک دیرپا ترقی کا سوال ہے وہ تعلیم ہے جو جہالت کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ صحت مند سوسائٹی کے لئے جہاں ہسپتالوں کی ضرورت ہے وہیں تعلیم کی افادیت کافی ضروری ہے۔ بکولا ایجوکیشن مہم کا مقصد جوانِ دنوں پورے لداخ میں جاری ہے۔ اسی تعلیم کو فروغ دینا ہے۔ نیوما بلاک میں کئی روز سے آفیسران اور سٹوڈنٹس ایجوکیشنل کمیٹی مومنٹ آف لداخ، عوامی نمائندے اکھٹے گاؤں گاؤں اسی مقصد کے واسطے دورہ کر رہے ہیں۔ ریلیاں نکال رہے ہیں۔ لوگوں کو جمع کر کے سمجھاتے ہیں کہ تعلیم کو سیکھو۔ جن بچوں کو گھریلو کام کاج اور بھیڑ بکریاں پالنے کے لئے رکھا ہے۔ ان کو جلدی سکول میں داخل کرو۔ ایک مثال ہے علم ڈھونڈھو دوستو چاہے ملے وہ چین میں۔ ژھاگہ والو اُدھر پہاڑ کے پرے چین ہے آپ کا

ہمسایہ ہے۔ مگر تعلیم تو تمہارے دروازے پر دستک دے رہی ہے۔ لداخ میں تعلیم کی بدولت ترقی اور خوشحالی آسکتی ہے۔ ہل کونسل نے پورے لداخ میں تعلیم کو بڑھاوا دینے کے لئے کئی اقدامات اُٹھائے ہیں۔ جگہ جگہ سکولی عمارتیں ہیں۔ بچوں کے لئے گلاس روم بنائے گئے ہیں۔ ہر قسم کا ساز وسامان مدرسوں میں بہم رکھا گیا ہے۔ بچوں کو وردیاں اور کتابیں مُفت فراہم کی جاتی ہیں۔ چنگ تھنگ میں کئی جگہ ریذیڈنشل سکول قائم ہیں۔ اس چنگ تھنگ میں دو محکمے تعلیم اور میڈیکل کے آفیسران اور ملازمین ڈیوٹی کے پابند ہیں۔ کافی محنت کررہے ہیں۔ ہر جگہ سکول اور میڈیکل سنٹر اس مقصد کے لئے کھولے گئے ہیں کہ ان سے فائدہ اُٹھاؤ۔ اس لئے بچوں کو پڑھانے کے لئے ہم سے سہمت ہو جاؤ۔ موقعے کا فائدہ اُٹھاؤ۔

[یہ تقریر صاحب کتاب نے بلاک نیوما کے تعلیمی دورے کے دوران بطور مہمان خصوصی تھا کہ سرحد پر لوگوں کے اجتماع سے کیا]



صمدو کی سیر

کئی بار نیوما سے اس علاقے کی طرف چلا ہوں جو کہ رولپشو کے نام سے جانا جاتا ہے۔ جو کہ بلاک نیوما کا بالائی حصہ بھی ہے۔ ۱۹رمئی ۲۰۰۴ء کو میں نویما کمانڈنگ آفیسر آئی تی بی اینلی پرتاپ سنگھ دہلی عزیز آفیسر دوست کے ہمراہ صبح روانہ ہوا۔ موسم خوشگوار اور کھلی دھوپ میں سیر کرنے کو نیوما کے گردونواح بے حد مزا آتا ہے۔

نیوما لیہہ شاہراہ پر ۲۲ کلومیٹر دور دریائے سندھ پر تعمیر شدہ پُل کے پار جنوب جانب درّہ کے درمیان سے گذرنے والی سڑک تقریباً ۶۰ کلومیٹر دور کرزوک جاتی ہے۔ اُدھر ہی چھموریری جھیل ہے اگرچہ ماہی سے نیوما کی جانب سرحد چین تک سارا چنگ تھنگ ممنوعہ ہے اور ماہی پُل پر گاڑیوں کی چیکنگ کے دوران اس علاقہ کے باشندوں اور ڈیوٹی پر متعین ملازمین کو چھوڑا جاتا ہے۔ تاہم ٹنگسے بلاک کی جانب پنگوگ جھیل اور ماہی سے چھموریری جھیل کو سیاحت کی وجہ سے کھول دیا گیا ہے۔ اِس جانب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لیہہ کے اجازت نامہ کی صورت ہی ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کو سیر کرنے کی اجازت ہے۔

پُل سے کرزوک جانے والی سڑک قدیم زمانے سے ہماچل پردیش سے رپشو علاقے سے نیوما اور پھر آگے دمچوک کا کھٹن راستہ رہا ہے۔ اب تنگ دروں سے گذرتی سڑک کی تعمیر ہو رہی ہے۔ سڑک کے دائیں جانب بہتی ندی

ہی آ گے ہے۔ وہ ماہی پُل قربت دریائے سندھ میں جا ملتی۔ ندی کنارے ایس بیشتر پودے نظر آ رہے ہیں جو خودرو ہیں اور یہ سلسلہ تبتی رفیوجی کالونی تک ہے جہاں صمدو وادی شروع ہوتی ہے۔ ماہی پُل سے چند کلومیٹر چل کر بائیں طرف کا جو درّہ نظر آتا ہے وہاں سے چنگپاز کا راستہ ہے جو اپنے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ لے کر جاتے ہیں۔ سُرخی رنگ پہاڑی سلسلے کے دامن سے گذرنی والی یہ سڑک ماہی نیوما سڑک سے ذرا بُلند ہے۔ اس سڑک کو کُشادہ کرنے کے لئے کاریگر اور مزدور ہمہ جہت چٹانوں سے بچاؤ کے لئے حفاظتی باندھ بھی باندھے جا رہے ہیں۔ نالے کے کنارے جگہ جگہ خیمہ لگے تھے جن میں بیرون لداخی کاریگر اور مزدوروں کا قیام رہتا تھا۔

صمدو کی وادی ماہی سے ۱۲ کلومیٹر دور ہے اور تبتی رفوجی کالونی سے شروع ہونے والی یہ وادی نصف کلومیٹر چوڑی ہے جس کے بیچ یہ ندی بہتی ہے۔ اور اس پر تعمیر شُدہ پل کے دائیں جانب بُلندی پر تبتی بستی آباد ہے۔ چار کلومیٹر لمبی صمدو وادی بھی کافی پُرکشش لگتی ہے۔ مختلف طرز کے کوہسار نیلے آکاش سے باتیں کرتے ہیں۔ تبتی کالونی میں ۶۵ گھرانے آباد ہیں۔ اِدھر کے نمبردار نے بتایا کہ چین میں جب تبت کا قبضہ ہو گیا تو اُدھر سے لوگ مجبوراً چنگ تھنگ بھاگ کر آ گے اور چالیس پچاس سال سے اس جگہ ہمارے ماتا پتا بسنے لگے اور اس وقت گاؤں کی آبادی ۳۵۲ نفوس ہے۔ گو بار نمبردار م نے اپنے گھر لے جا کر اور لپٹن چائے اور بسکوٹ سے ہماری خاطر تواضع کی۔ اسس دوران ہیڈ ماسٹر آیا اور بتایا کہ اس سکول میں ۷۱ بچے اور بچیوں کو تعلیم سکھانے کے لئے لیہہ کی پانچ تبتی اُستانیاں بھی اِدھر ٹھہری ہیں۔ بہتر تعلیم پانے کے لئے اِدھر بچوں کے کھانے پینے، رہائشی کا انتظام ہے۔ ہیڈ ماسٹر نے یہ جانکاری دی

کہ یہ ٹی سی وی چگلم سرلیہہ کی زیر نگرانی ہے اور وہی اس کے سارے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ نمبردار نے اپنی بے بسی کا یوں اظہار کیا کہ چونکہ ہم رفیوجی ہیں اور چین نے ہمیں نکالا ہے۔ پھر بھی ہندوستان نے ہمیں چلنے پھرنے اور مکانات بنانے کے لئے جگہ دی مگر ہمارے لئے وہ سکیمیں نہیں ہیں جس طرح لداخی استفادہ کرتے ہیں۔ اس لئے نہ تو تبتی بستی میں سرکاری سکول نظر آتا ہے۔ اور نہ ہی کوئی ڈاکٹر بستی میں ایک واٹر پمپ نصب کرنے اور کوئی سماجی بہبودی سکیم کو لاگو کرنے کے علاوہ اس جگہ صمد گاؤں کی طرح سرکاری ٹیلی ویژن اور ڈیزل جنریٹر سے پاور کی فراہمی کی مانگ کرتا رہا۔ میں نے فیڈ بیک رپورٹ میں لداخ کے ہل کونسل کو یہ لکھا مگر ان کے مطالبے حل ہونا امکان سے باہر ہی رہا۔ کیونکہ حکومت کے پاس کچھ پابندیاں ہیں کہ وہ رفیوجی بستیوں کو مراعات اور سہولیات نہیں پہنچا سکتے جو کہ مقامی باشندوں کو راحت پہنچا سکیں۔ البتہ راشن کی فراہمی سے نیوما بلاک کا انتظام ہے۔ گوپا نے بتایا کہ جنتا کا پیشہ بھیڑ بکری پالنا ہے۔ لیہہ سے کبھی کسی رضا کار تنظیم کا ڈاکٹر یہاں کے بیماروں کا علاج کرتا ہے ورنہ نیوما کے ہسپتال کی طرف سفر کاٹنا پڑتا ہے۔

بستی میں خاصی چہل پہل نظر آئی۔ میرے ساتھ آیا ہوا آفیسر میں گھمپا کی طرف چلے جہاں لاماؤں کی ایک جماعت پوجا پارٹ میں محو تھی۔ ”یہ سالانہ پوجا پارٹ مہاتما گوتم بدھ کے ۱۰۵ کتابوں کی تعلیم ہے جو ہم سب لاماؤں کو اِدھر پڑھنا ہے“۔ اِدھر ماہی گھمپا اور نیوما گھمپا سے آئے ہوئے جانے والے لاما نے بتایا۔ میرے پوچھنے پر نیوما کے ایک لاما نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

”اس فسٹول کو کنگھیور کہتے ہیں اور ہمارے سامنے جو پُستک (کتابیں)

ہیں ہم پانچ روز سے پڑھ رہے ہیں اور اُدھر آپ اسکو پہچانتے ہیں نیوما کے ہیڈ لاما پلدن ٹھنلس ان کے ہی سُپر وزن (نگرانی) میں یہ پوجا ہو رہی ہے۔ یہ پوجا پچھلے کئی روز سے اور آنے والے دنوں میں چالو رہے گی۔ چنگ تھنگ کے بہت سارے جگہوں گھمپاؤں پر"

ان لاماؤں کے سامنے لداخی تختوں پر ان نئی کتابوں کے اوراق پڑے تھے جو علیٰحدہ علیٰحدہ ہوا کرتے ہیں۔ ان کتابوں کو نہ تو بائنڈنگ ہوتی ہے اور نہ ہی موٹا سرورق۔ بلکہ یہ عام طور کپڑے سے بنے تھیلیوں میں یا کپڑے میں باندھ کر رکھی جاتی ہیں۔

اسی دوران نمبردار اور کچھ لوگوں نے ہمیں ایک مکان میں لے جا کر ان سے تعارف کرایا۔ ایک رضا کر تنظیم بتقن کواپریٹو سروس چگلم سرلیبہ کے ٹیم کے ممبران نے یہ واقفیت دلائی کہ وہ اِس جگہ آکر ضرورت مندوں کو امداد فراہم کرتے ہیں۔ اسی دوران دھرم شالا ہماچل پردیش کے سنٹرل تبتین ایڈمنسٹریشن پبلک سروس کمیشن کے سیکرٹری بھی اِدھر موجود تھے۔ ان کے ساتھ گھنٹہ بھر کی گفت وشنید میں پورے ہندوستان میں تبتی رفیوجی بستیوں کے متعلق کچھ جانکاری ملی۔ انہوں نے بتایا کہ کرناٹک کے ۵ گاؤں میں ۵۰ ہزار تبتی آبادی کو اُس ریاستی حکومت نے بہت ساری سیکموں کے دائرے میں لایا ہے اور مرکزی سرکار بھی اُن کی بہبودی کے لئے بہت کچھ کر رہی ہے۔ مگر لداخ میں تبتی رفیوجیوں کے لئے میں کچھ نہیں ہو رہا ہے"۔

اپنے دورے کے تفصیلات کا مختصر ذکر کرتے ہوئے اُس نے کہا کہ وہ پچھلے کئی روز سے چنگ تھنگ کے دورے پر ہے اور یہاں کی تبتی بستیوں کی حالت زار کے متعلق مشاہدہ کرنے کی ذمہ داری ہے اور آج ہی اِدھر پہنچا

ہوں۔انہوں نے مجھے صمد کے سیدے سادے تبتی لوگوں کی مانگوں کو حکومت کے ایوانوں تک پہنچانے کی بھی گذارش کی۔

گو باد نمبردار نے مکان میں کھانے کا انتظام کیا تھا اگر چہ میرے آئے ساتھی آفیسر اور اُس کے ڈرائیور نے چاول کے پلیٹ اور گوشت کے ٹکڑے لئے مگر حسبِ عادت دوپہر کو نہ تو کھانا کھاتا ہوں اور نہ ہی وہ گوشت جو حلال نہ ہو۔اس لئے میرے لئے روٹی اور چائے لائی گئی۔

بستی کے مرد و زن کی تعداد آئی۔جہاں لیہہ سے سبسڈی پر سولر لائٹس فراہم کئے گئے ہیں اور اس طرح وہ شام کے وقت بجلی کی روشنی سے مستفید ہوسکتے۔

اس تبتی رفیوجی کالونی کے مغرب جانب پہاڑی درے کے درمیان جو راستہ جاتا ہے وہ سکڈ مانگ پہنچ جاتا ہے۔یہ پیدل راستہ ۵ گھنٹے میں طے ہوتا ہے۔سکڈ مانگ دریائے سندھ کے کنارے جنوب جانب واقع ہے اور پُل کے پار نیوما لیہہ شاہراہ گذرتی ہے۔جنوب مغرب جانب کی سڑک قدیم زمانے کا راستہ ہے اور اس سڑک پر جیپیں اور ٹرک چلتی ہیں۔یہ سڑک تقریباً ۸۰ کلومیٹر لمبی ہے اور سرچو کی جگہ اُپشی منالی شاہراہ کے ساتھ ملتی ہے۔سرچو لداخ اور ہماچل پردیش کی سرحد ہے اور یہ جگہ نیوما بلاک سے منسلک ہے۔ اسی سڑک پر تبتی کالونی صمد سے آنگوگ اور (بودھی مرکز) تھُو کچے گھمپا آتا ہے۔اور آنگوگ اِدھر سے ۱۷ کلومیٹر دور ہے۔

تین گھنٹے تبتی کالونی میں ٹھہرنے کے بعد ہم واپس اُترائی کی طرف آئے اور صمد و گاؤں سے آنے والی ندی پر لگے پُل کو پار کر کے ہمارے جیپ پھر جنوب جانب بُلندی کی اور بڑھنے لگی۔اس جگہ سے کرزوک ۳۴ کلومیٹر دور ہے۔صمد و گاؤں کے مشرق جانب پہاڑی سلسلے کے درمیان سے جو وادی

نظر آتی ہے اس سے یہی ندی آتی ہے اور جنوب جانب سے کرزوک جانے والی سڑک کے ساتھ آ رہی ندی کے ساتھ اِدھر ملتی ہے۔ سڑک پر ایک پُل کے پار بائیں جانب صمد گاؤں ہے۔ مشرق سے آنے والی ندی کے ساتھ ساتھ پیدل راستہ ندر کو جاتا ہے۔ ندر سے جنوب کا راستہ چمور ہے اور شمال مشرق کی جانب نیوما کی وادی نظر آتی ہے۔ صمد سے ندر پہاڑی راستہ ایک دن کی مسافت کے برابر ہے۔

پُل کے پار سڑک کے کنارے جیپ کھڑی کر کے ایک آدمی ہماری طرف بڑھا اور ہاتھ ماتھے کی طرف اٹھا کر جو لے کیا۔ ہم جیپ سے باہر نکلے اور اُسے گوبا کے متعلق بتایا چونکہ یہ آدمی صرف لداخی زبان سمجھتا تھا اس لئے گوبا کا جملہ سُن کر وہ جان گیا کہ ہم نمبردار کو ڈھونڈتے ہیں۔ یہ گاؤں کافی پسماندہ ہے اور ایک منزلہ مکان بھی پُرانے لگتے ہیں۔ وہ اُسے بُلانے گیا تو ایک اور آدمی اس کے ہمراہ آیا جو کہ نمبردار نہیں بلکہ نائب سرپنچ تھا۔ میں نے اُسے ٹیلی ویژن کے متعلق پوچھا۔ وہ مجھے ایک چوٹی پر لے گیا۔ کھلے میدان میں پہلے پرائمری سکول کے اندر گئے۔ اس سکول میں صرف چار بچے زیرِ تعلیم ہیں اور ایک لداخی اُستاد اُن کو پڑھانے کے لئے مامور نائب سرپنچ سے میں نے بچوں کی کم تعداد کے متعلق سوال پوچھا تو اُس نے جواب دیا۔ ”سر۔ یہ گاؤں کافی پسماندہ ہے صرف چودہ گھر ہیں اکثر بچے بھیڑ بکریوں کو گھومنے لے جاتے ہیں“۔

پھر ہم اُس کمیونٹی ہال میں داخل ہوئے جو کہ یورپ کی ایک رضا کار تنظیم نے تعمیر کیا ہے۔ کافی برفباری کے بعد یہ ہال اس لئے تعمیر ہوا تا کہ صمد کے گھرانے اس میں اپنے مال مویشیوں کے لئے چارہ جمع رکھ سکیں۔ اسی ہال میں انفارمیشن محکمے کی طرف سے گاؤں کے لئے بھیجا گیا رنگین ٹیلی ویژن اور

مٹی کے تیل پر چلنے والے جنریٹر کو رکھا گیا ہے۔ نائب سرپنچ نے نیا ڈش انٹینا فراہم کرنے کی درخواست کی کیونکہ اِدھر پہلا اینٹنا تیز ہوا کی وجہ سے چھت سے گر کر ٹوٹ گیا۔ اس لئے ٹی وی پر شکل ہی نہیں آتی ہے۔

ہال سے باہر نکل کر میں نے اُس سے گاؤں کے دیگر مسائل کے متعلق پوچھا تو اُس نے یوں جواب دیا۔ ''اِدھر ایک کمیونٹی ہال بنایا جانا چاہیے کیونکہ ہم اکھٹے مل جل کر گاؤں والے پروگرام نہیں کر سکتے۔ صاحب آپ دونوں نے دیکھا کہ چھوٹے مکانات ہیں۔ دور دور تک کسی گھرانے کو بڑا ہال اور گلاس روم تک نہیں۔ نہ تو اُدھر تبتی کالونی میں کوئی میڈیکل سنٹر ہے اور نہ ہی صمد میں۔ جب کوئی سخت بیمار پڑتا ہے تو جائیں کہاں۔ نیوما پہنچنے کے لئے کسی روز کوئی ٹرک اگر ملے تو جائیں گے ورنہ کیا کریں؟''

تبتی رفیوجی کالونی کی طرح صمد گاؤں میں بھی لندن کی ایک رضا کار تنظیم کی طرف سے پالی گرین ہاوس تقریباً سب گھروں کو دئے گئے ہیں۔ کیونکہ اس بارے میں ایک سال پہلے اس علاقے کے دوران تب جانکاری ملی جب انگریز تبتی کالونی کے آڈیٹوریم ہال میں کئی روز سے ٹھہرا تھا۔ اُس کے ساتھ بات چیت کے دوران اس نے بتایا کہ وہ کئی سال سے لداخ میں یہ کام کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ موجود ایک تبتی لڑکی انگریزی ڈریس پہنی تھی۔ میرے پوچھے جانے پر اُس نے بتایا کہ ''میں اصل میں لندن کا ہے اور ہماچل پردیش اور لداخ میں ان ہی مہینوں میں نصف سال ٹھہرتا ہے اور ہندوستان کے دیگر جگہوں کو بھی جاتا ہے''۔ اس انگریز کی عمر ساٹھ سال لگتی ہے اور یہ لڑکی ۲۵ سال سے اوپر لگتی ہے۔ اُس سمارٹ لڑکی نے ہندی میں بتایا ''میں تو دھرم شالہ ہماچل کی ہوں۔ میں ان کی سیکرٹری رہی اور پھر ہماری شادی ہوئی۔ ان کی پہلی والی پتنی لنڈن میں رہتی ہے۔

ہندوستان میں یہ چھ مہینے رہتے ہوئے اکثر مُجھے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور سوشل کاموں میں ان کی ہاتھ بٹاتی ہوں"۔

صمد علاقے میں تبتی کالونی سے ایک کلومیٹر دور گرم چشمہ پر ہمیں جانے کے لئے فرصت نہ آئی کیونکہ اُدھر پیدل جانا پڑتا ہے اور پہاری درّے میں اُبلتا ہے۔صمدو میں ندی کے کنارے جنگل بانی کے تجربہ کے لئے پودے لگانے کا کام جاری ہے۔اس قسم کی پلانٹیشن نرسریاں نیوما بلاک کے اس بلند بالا علاقے میں لگانے کے لئے رینج آفیسر نیوما نے مجھے پہلے ہی جانکاری دی ہے۔سطح سمندر سے 14500 فٹ بلندی پر واقع صمدو کافی پسماندہ ہے اور یہاں پیداوار نہ ہونے کے برابر ہے۔اس تنگ وادی سے گزرنے والی سڑک پر ٹرانسپورٹ کا بس اتنا انتظام ہے کہ لیہہ سے روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی بس دس دنوں میں چھموریری جھیل کرزوک جاتی ہے۔اِدھر سے کرزوک ۶۰ کلومیٹر دور ہے اور تب تک راستے میں کوئی گاؤں نہیں آتا ہے۔البتہ روبو (خیموں) میں رہنے والے چنگپاز (Nnmadic) جو بھیڑ بکریاں اور یاک پالنے کے لئے ایک چراگاہ سے دوسری چراگاہ پھِرتے ہیں۔صمدو میں شیپ ہسبنڈری کا کوئی ایکٹنشن سنٹر نہیں ہے۔آبادی ایک سونفس سے بھی کم ہے۔مگر صمدو میں بھیڑ بکریاں کافی ہیں۔انہیں چرانے کے لئے یہ چون کھرندر جانے والے درے ہی کی طرف لے جاتے ہیں۔

کرزوک سڑک کے اوپر رنگ برنگی جھنڈے ہوا میں لہرا رہے ہیں جو دونوں طرف کھڑی چٹانوں پر ڈنڈوں سے باندھے گئے ہیں۔صمدو کے علاقے میں فے (پہاڑی چوہے) اکثر نظر آتے ہیں۔ان کی شکل نیولا ملتی جلتی ہے اور آدمی کو دیکھ کر ہی بلوں میں گھُس جاتے ہیں۔وزن میں بلی کے بچے برابر ہو سکتے ہیں۔

کوئیول: سرحدِ چین پر اہم گاؤں

لیہہ سے لاسا تبت جانے کا قدیم راستہ دریائے سندھ کے کنارے تنگ دروں، ڈھلوانوں صحرائی وادیوں اور چراگاہوں کے درمیان سے گذرتا ہے۔ لیہہ سے تبت جانا ممنوعہ ہے اور دمچوک سے سڑک بند کی گئی ہے۔ لیہہ اور نیوما سے دمچوک تک کی سڑک آمدورفت کے لئے کارآمد ہے۔ چنگ تھنگ کا یہ علاقہ اہمیت اور حساس ہے۔ چین سرحد پر ہونے کی وجہ سے سیاحوں کو بیرون علاقہ کے لوگوں کو پابندی ہے۔ سب ڈویژنل ہیڈکوارٹر نیوما کی وادیٔ سے لیہہ کی شاہراہ دمچوک گذرتی ہے۔ نیوما سے ۲۲ کلومیٹر دریائے سندھ کے اس پار شمال مشرق کی سڑک چشول اور پنگوک جھیل جاتی ہے جبکہ لوما پُل پر چیکنگ ہوتی ہے۔ پُل کے پار جنوب کی طرف ایک سڑک انلے وادی جاتی ہے اور مشرق کی جانب پہاڑی سلسلے کے دامن سے گذرنے والی سڑک کوئیول اور دمچوک جاتی ہے یہی قدیم راستہ لداخ اور چین کے درمیان تجارت کا ذریعہ تھا۔ گو کہ اب یہ سڑک GREF کی زیرنگرانی ہے اور سال ۲۰۰۳ء سے اس پر تارکول روڑی بچھانے کا کام شروع کیا گیا۔ پہاڑی سلسلے کو کوکرشک کہتے ہیں۔ مگر جب یہ سلسلہ جنوب جانب مڑتا ہے جہاں پہاڑی چوٹی کی آغوش میں وہ فوجی بینکر اور ٹین کے بنے مکان ویران نظر آتے ہیں جو ۱۹۶۲ء کی ہند چین جنگ میں اُجڑ گئے تھے یا فوجی بھاگ چکے تھے۔ چوٹی کے اوپر بینکر بھی موجود نظر آتے ہیں جو کب سے خالی ہیں۔ اِدھر سے سڑک کافی ویران ہے اور

سندھ کے کنارے کھلی جگہ کے بیچ سے گذرتی ہے اور سندھ کے پار شمال جانب کھریل کا پشمینہ گوٹ فارم، ژھاگہ کا گاؤں اور کافی اونچائی پر دور تارا پوسٹ نظر لگتا ہے۔ وہیں دور چشول کی برف پوش چوٹیاں بھی نظر آتی ہے۔ یہ منظر قدرت کی کاریگری کا خاص نمونہ ہے اور جب بارش کے بعد دھوپ نکھرتی ہے تو ژھاگہ کی جانب قوس قزاح کا منظر نظر آتا ہے۔ اِدھر دائیں طرف کو کرشک پہاڑی سلسلہ مکمل طور جنوب کی طرف مُڑتا ہے۔ تو دریائے سندھ کے پار ژھاگہ پہاڑی سلسلے سے جُڑا چلتا ہی نظر آتا ہے یعنی سندھ کے پار پہاڑ کو تھنگ ننس کہتے ہیں۔ اب سڑک ڈونگٹی وادی میں داخل ہوتی ہے۔ لومائل سے ڈونگٹی ۱۷ کلومیٹر دور ہے۔ جون سے ستمبر تک لوما، کھریل وادی سے ڈونگٹی وادی میں جیسے میلے ہی میلے ہوتے ہیں۔ موسم سہانا ہوتا ہے۔ دریائے سندھ کے اُوپر اُڑتے پھرتے بلیک نیک کریں اور دوسرے پرندے نظر آتے ہیں۔ وہیں کیانگ (جنگلی گدھے) بھی دوڑتے پھرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ اور یاک بھاری بھر کم جانور جن کو چنگپا ز عورتیں بھی ہانک کرلی جاتی ہے۔ گو کہ ژھاگہ سے کوئیول تک بظاہر کوئی گاؤں نظر نہیں آتا ہے اگر چہ لمبائی میں یہ حصہ ۶۰ کلومیٹرز یادہ ہی ہے مگر سکاگ جونگ جو کہ ڈونگٹی وادی میں ہی ہے اور چنگ تھنگ کی سب سے وسیع چراگاہ مانی جاتی ہے میں آثارِ زندگی نظر آرہے ہیں۔ جابجا دور دور تک خیمے لگے ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتے ہیں۔ ان کی گذر بسر خیموں میں ہی ہوتی ہے۔

علاقہ چونکہ چین کے بالکل قریب ہے۔ اس لئے اِدھر سے چینی سامان جس میں کمبلیں، تھرماس، پیالے، بوٹ، جاکٹ اور مٹھائیاں شامل ہیں کھلم کھُلا سمگل

ہوتی ہیں۔ اگرچہ ڈونگٹی وادی میں داخل ہوتے ہی پہاڑی سلسلے جسے کوئیول تک ٹائیکر مالے کہتے ہیں، کے دامن میں آئی ٹی بی ایف کا کیمپ ہے جہاں گاڑیوں کی رجسٹریشن اور چیکنگ ہوتی ہے اسے کسٹم پوسٹ کا نام بھی رکھا گیا ہے پھر بھی سمگلنگ کی کوئی روک تھام ہوتی نہیں۔ تبتی رفیوجی عورتیں بھی دمچولے بازار سے جو چین میں پڑتا ہے اور دریائے سندھ کے پار پہاڑ پر واقع ہے اسے اشیاء سستے داموں لے کر نیوما تک لاتی ہیں اور زیادہ سامان تولیہہ پہنچ جاتا ہے۔ حالانکہ لداخ میں گورنمنٹ آف انڈیا کا پہلا اور واحد کسٹم دفتر نیوما میں ۲۰۰۲ء میں کھولا گیا اِس کے آفیسران، سیکورٹی اہلکاروں کی تبدیلی ہر چھ چھ ماہ بعد ہوتی ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں ڈونگٹی سے کوئیول تک اپنی گاڑیوں میں چھاپہ مارنے کے لئے کے لئے آتے ہیں اور کبھی کبھار سمگلنگ مال کو ضبط کرتے رہتے ہیں۔ مگر سمگلنگ رُکتی نہیں کیونکہ کوئیول کے لوگوں کی آمدن کا یہ سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس طرح آئی ٹی بی ایف کو جو اختیارات دئے گئے تھے وہ کسٹم دفتر کے کھُل جانے سے بہت حد تک کم ہونے لگے ہیں۔ آئی ٹی ایف کیمپ کے سامنے چھوٹے ٹیلے پر آئی ٹی بی ایف کا جھنڈا لہراتا ہے۔ دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر اُس قدیم پُل کے مجڑے بھی موجود ہیں ماضی میں میں پانی کی زیادتی کی وجہ سے اِدھر لکڑی کا بنا پل بہہ چکا ہے۔ اِدھر سے یہ راستہ سیدھا ژھاگہ سے ہو کر چشول جاتا تھا۔ قدیم زمانے میں چھانگلا درے سے ٹنگسے اور پھر چشول سے اسطرف کوئیول اور دمچوک آنے کا ہی اہم راستہ تھا۔ جب چشول سے چنگ تھنگ کا ہیڈ کوارٹر نیوما منتقل ہوا اور لوما پُل تعمیر کیا گیا تب سے یہی سڑک دمچوک کے لئے آمد و رفت کا ذریعہ بنی رہی۔ آگے سڑک روہدک پوسٹ سے گذرتی ہے

یہ جگہ فوجی لحاظ سے خاص اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے مشرق جانب دریائے سندھ کے پار چین کے قبضہ میں وہ پہاڑی سلسلہ ہے جہاں دمچوک لے ہے۔آگے سڑک کے بائیں جانب دریائے سندھ کے کنارے کارپونگ اریگیشن پروجیکٹ کوسکاک جونگ کی چراگاہ کو بڑھاوا دینے کے لئے بنایا گیا ہے۔

کوئیل کے علاقہ میں جو وسیع وعریض میدان ہے وہ کبھی فوجی ہوائی اڈہ ہوا کرتا چین کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اعتراض اُٹھانے کے بعد ۱۹۷۰ء کے بعد اس اڈے کو منسوخ کیا گیا۔دہلی سے اس جگہ براہ راست فوجی جہاز آیا کرتے تھے۔کوئیول پہاڑی سلسلوں میں چھپا ہوا گاؤں ہے۔اس کے آغوش میں نالہ چشم رواں دواں ہے۔وادی کوئیول کے شروع میں ایک فوجی چھاونی ہے۔آگے قدیم زمانے کے وہ مکانات اب کھنڈرات نظر آتے ہیں جو کبھی فوجی گودام ہوا کرتے۔کوئیول وادی میں داخل ہوتے ہی جنوب کی طرف سڑک دمچوک جاتی ہے اور کوئیول گاؤں تک کچھ کلومیٹر کی رابطہ سڑک۔ گاؤں کے شروع میں آئی ٹی بی ایف اور انڈین تبتین پولیس کا کیمپ ہے۔

کوئیول گاؤں کئی پروٹکشن بندھ بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔کئی ڈائیورشن کے علاوہ چشم نالے پر ایک پُل بھی تعمیر کیا گیا ہے۔فارسٹ پلانٹیشن نرسریوں کا تجربہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں کیا گیا ہے۔مگر درختوں کے پھلنے پھولنے کے امکانات کافی بُلندی اور موسم کی وجہ ہے۔گاؤں کی معیشت کا دارومدار بھیڑ بکریاں پالنا ہے۔ادھر ۱۳ ہزار بھیڑ بکریوں کے علاوہ ایک ہزار یاک بھی ہے۔مال مویشیوں کے لئے محکمہ شیپ نے یہاں فیڈ سینٹر بھی کھولا ہے۔تاکہ چارہ کی دقت نہ رہ سکے۔گاؤں کے اندر تک سڑک تعمیر شدہ ہے اور کم فاصلے کی ایک رابطہ سڑک دمچوک جانے والی سڑک کے ساتھ ملائی گئی ہے۔

کوئیول گاؤں کے لوگ کافی Sensitive مانے جاتے ہیں۔گاؤں کی آبادی ۴۷۰ ہے جو ۱۱۵ گھرانوں پر مشتمل ہے۔اس کے علاوہ تبتی رفیوجی کے ۲۲ گھرانے بھی بسے ہیں۔لوگوں کی سہولت کے لئے سب ڈویژن انتظامیہ نیوما،ضلع انتظامیہ کے علاوہ لداخ اٹانومس ہل ڈیولپمنٹ کونسل کافی خیال رکھتی ہے۔اس طرح یہاں اکثر و بیشتر ایسے حکام کا دورہ رہتا ہے۔لیہہ روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی بس سروس ہفتے میں ایک بار آتی ہے۔علاج و معالجہ کے لئے سہولت سرکار ہے۔جب سے نیوما بلاک میں کئی ریذیڈنشل سکولوں کا قیام ہوا تب سے کئی اور جگہوں کی طرح اِدھر سے بھی ان بچوں کو ایسے سکولوں میں بھیجا گیا۔پہلے اِدھر مڈل سکول تھا۔خوبصورت اور وسیع جگہ اور بلڈنگ میں اب پرائمری سکول ہے۔۲۵ طلباء و طالبات کے لئے تین ٹیچر ہیں۔مذہبی،سماجی اور کلچرل تقریبات منانے،دیدہ زیب طور کمیونٹی ہال تعمیر کیا اور محکمہ انفارمیشن کی جانب سے نصب کردہ رنگین ٹیلی ویژن گاؤں کی طبع تفریح کے لئے مختص ہے۔دوردرشن ریلے سنٹر بھی تعمیر کیا گیا۔چنگ تھنگ میں تب تک دوردرشن نیشنل چنل جو واحد چینل آتا ہے ادھر جب تیک کہ ایسے ریلے سنٹر نہ ہو۔محکمہ انفارمیشن نے کئی اور جگہوں کے ساتھ ساتھ کوئیول میں بھی DTH لگانے کا فیصلہ کیا۔ یہ گاؤں ۲۰۰۴ء کی خشک سالی سے کافی متاثر ہوا۔اس لئے دوسرے دیہات کی طرح یہاں کی بھیڑ بکریوں کو چارہ کی فراہمی اور لوگوں کو راحت پہنچانے کے لئے سرکار نے انتظامات کئے ہیں۔

اول دسمبر ۲۰۰۴ء

"راقم الحروف نے تین سال لداخ قیام کے دوران کئی سرکاری دورے ضلع،سب ڈویژنل انتظامیہ ساتھ سرانجام دئے۔نیز انیل پرتاپ سنگھ کے ساتھ دوستانہ طور کئے"

لداخی زبان

ریاست جموں و کشمیر کی سرکاری زبان اگر چہ اُردو ہے۔ محکمۂ مال اور عدالت ہا کا کام اسی زبان میں ہوتا ہے۔ کچھ محکموں کے رپورٹ رسائل اور پمفلٹ و کتابیں اُردو میں ہی شائع ہوتی ہیں۔ محکمۂ تعلیم کا بیشتر کام اسی زبان سے جڑا ہوا ہے۔ سرینگر اور جموں سے روزانہ درجن اخبارات اور ایک درجن جرائد اردو میں چھپتے ہیں۔ جن کی قارئین کو تلاش رہتی ہے۔ اس کے باوجود سرکاری اور نجی خط و کتابت انگریزی میں ہوتی ہے۔ بین الاقوامی زبان کے ناطے یہ انگریزی پورے دنیا پر راج کر رہی ہے۔ ہندوستان کی قومی زبان ہندی ہے۔ ریڈیو ٹی وی کے بیشتر پروگرام اسی زبان میں ٹیلی کاسٹ ہوتے ہیں۔ فلموں میں ہندی فلموں کا ہی زیادہ چلن ہے۔ اگر چہ ان کی زبان نوے فیصد اُردو ہوتی ہے۔ ہندی میں کتنے رسالے اور اخبارات چھپتے ہیں اور اُردو میں بھی مگر دونوں زبانوں کو انگریزی نے مغلوب کیا ہے۔ وہ کون سا شعبہ نہیں جہاں انگریزی زبان کو استعمال نہ کیا جاتا ہے۔ خط و کتابت، رپورٹ اور دیگر معاملات کے علاوہ تقریبات میں زیادہ تر انگریزی زبان کا ہی استعمال ہوتا ہے۔

علاقائی سطحوں کی زبان میں ریاست میں کشمیری بولنے والے زیادہ ہے۔ جو ان کی مادری زبان ہے جبکہ دوسرے نمبر پر ڈوگری، تیسرے نمبر پر لداخی و پہاڑی چوتھے نمبر پر گوجری کا استعمال ہوتا ہے۔ وسیع و عریض خطہ لداخ میں کچھ اور بولیاں بھی بولی جاتی ہیں جن میں پرکھی، بلتی، تبتی اور شنی بولیاں ہیں مگر لداخی زبان کی بولی کو زیادہ ہی لوگ استعمال کرتے ہیں۔ کچھ

رسالے، رپورٹ، پوسٹر اور خط و کتابت اسی زبان میں ہوا کرتا ہے۔

لداخی زبان میں جو روزمرہ گفتگو ہوتی ہے اس میں عام الفاظ ایسے بولے جاتے ہیں۔

(۳۰ر ستمبر ۲۰۰۴ء)

لداخی زبان کا اُردو معنی

لداخی	اردو	لداخی	اردو
ننگ (سام)	دل	گو	سر
نا (شونگ)	ناک	ڈُم	چہرہ
سُو	دانت	نمچوک	کان
مِکسپک	پلکیں	زگپا (زگو)	انگلی
لکھچل (لکٹ شکس)	کلائی	ٹاٹو (ٹوٹو)	گلا
نِوما	پستان	سکنگ	ٹانگ
ٹماجانگ (ٹھاٹانگ)	کہنی	جئے	آلہ تناسل
ما	مرد	ڈُنگ	سینہ
سوڈ (گوڈ)	بال	مگ	آنکھ
کھلپاک	ہونٹ	مالا	تھوڑی
مِکسما (مکس پک)	ابرو	لُکپا	ہاتھ
ٹوپٹو	پیٹ	گنگبا (جنگپا)	گردن
پنگو (پمگو)	کندھا	سِکتپا	کمر
کمپا	پاؤں	کھُپ	اندام نہانی

پاما	عورت	نو(پچو)	لڑکا
سمنو	ناخن	سکنگ	ٹانگ
ڈومو	پریشان چہرہ	چاک پُو	نفرت
سردکپو	غم، پریشانی، دکھ افسوس	کھوشس	مرجانا، مرتی
گنچس	ہنسنا	ناماپنگما	شادی
سمچس	خواہش	چسپا	محبت
ٹھتپا	خوشی	اسی ٹھک	مرد عورت کا میل
اَما	ماں	اَبی	دادی
اچی	بڑا بھائی	انگو	چاچا
لمنگھی	بہن	ثرپا	جوان مرد
پُمو	عورت	ما	مرد
نو(ننو لے)	لڑکا	نمو(نمو لے)	لڑکی
ڈمپو	مہمان	نن (چمو)	عورت بودھی تعلیم
مانکس(لاما)	مرد	گیلپو	راجہ
گیالمو	رانی	ڈُل ڈُل	چلو چلو
مُتِنک لے	نہیں ہے	دُکھ لے	ہے
ناگسمت	مجھے پتہ نہیں ہے	کُنچک	قسم سے
لاچس	رسم	لسوڈلسوڈ	آرام
سِم	گوشت	نیما	اتوار
زوا	پیر	گمھار	منگل
لُنگپا	بُدھوار	فربو	جمعرات

پاسنگ	جمعہ	سپنیا	ہفتہ
اَرو	وہاں	سم زوہ	دہی
شَنگ	لکڑی	رَے	پہاڑ
لنگُپا	وادیٔ	سا نگ لام	کوچہ
گہری کھائی	رونگ	شگا	قدرت
ساگ	جیون	چِک	ایک
نیس	دو	سُم	تین
زہا	چار	سنگا	پانچ
ٹگ	چھ	ڈم	سات
رگ یاڈ	آٹھ	رگو	نو
سچو	دس	چُک چِگ	گیارہ
چُگن یُس	بارہ	سا	زمین
سزھا	میدان	چھولم	بڑا گول پتھر
منتک	پھول	چھوہ	پانی
چنگما	درخت	عچر	کنڈی
میلونگ	آئینہ	اُوما	دودھ
ٹونس	اناج	ٹکی	روٹی
چاتھمچ	چائے	گو	دروازہ
پھوچیچ	کھڑکی	سونگداس	چاول
زرمو	میٹھی چائے	گود	ماچس
رنگوس	ڈھلوان	لالس	لہریں

پاما	عورت	ننو(پچو)	لڑکا
سمنو	ناخن	سکنگ	ٹانگ
ڈومو	پریشان چہرہ	چاک پُو	نفرت
سردکپو	غم، پریشانی، دکھ، افسوس	کھوشس	مرجانا، مرتی
گنچس	ہنسنا	ناماپنگما	شادی
سچس	خواہش	چسپا	محبت
ٹھتپا	خوشی	اسی ٹھک	مردعورت کا میل
اَما	ماں	اَبی	دادی
اچی	بڑا بھائی	انگو	چاچا
لمنگھی	بہن	ثرپا	جوان مرد
پُمو	عورت	ما	مرد
ننو(ننولے)	لڑکا	نمو(نمولے)	لڑکی
ڈمپو	مہمان	نن(چمو)	عورت بودھی تعلیم
مانکس(لاما)	مرد	گیلپو	راجہ
گیالمو	رانی	ڈُل ڈُل	چلو چلو
مُتِنک لے	نہیں ہے	دُکھ لے	ہے
ناگسمت	مجھے پتہ نہیں ہے	گنچک	قسم سے
لاچس	رسم	لسوڈلسوڈ	آرام
سِم	گوشت	نیما	اتوار
زوا	پیر	گمار	منگل
لُنگپا	بُدھوار	فربو	جمعرات

پاسنگ	جمعہ	سپنیا	ہفتہ
اَرو	وہاں	سم زوہ	دہی
شنگ	لکڑی	رَے	پہاڑ
لنگپا	وادیٔ	سانگ لام	کوچہ
گہری کھائی	رونگ	شگا	قدرت
ساگ	جیون	چک	ایک
نیس	دو	سُم	تین
زہا	چار	سنگا	پانچ
ٹگ	چھ	ڈم	سات
رگ یاڈ	آٹھ	رگو	نو
سچو	دس	چُک چُگ	گیارہ
چگن یُس	بارہ	سا	زمین
سزھا	میدان	چھولم	بڑا گول پتھر
منتک	پھول	چھوہ	پانی
چنگما	درخت	ٹمچر	کنڈی
میلونگ	آئینہ	اُوما	دودھ
ٹونس	اناج	ٹکی	روٹی
چاتھم	چائے	گو	دروازہ
پھوچچ	کھڑکی	سونگداس	چاول
نرمو	میٹھی چائے	گود	ماچس
رنگوس	ڈھلوان	لالس	لہریں

شلما	کنکریلی زمین	شاگما	کنکر
لُنگسپا	ٹھنڈ ہوا	سرو	ہوا دھیرے چلنا
سرمو	سردی محسوس ہونا	ٹنگمو	سردی
سوچس	خوش آمدید	صُنم	قسمت
ہارپو	چمکیلا	لاچھک	خواہشات کے ساتھ
سُولمار	مکھن	سُلتھال	چولھا، سٹو
سونگتھال	تھالی پلیٹ	سر	سونا
سُلی	لداخی عورت کالباس	سُلراس	تحفہ
لبنرہا	نصیحت	لبڈا	سکولی
لبچس	سکھانا	سونگا	راز
سلچس	پڑھنا	سُنگ	بولنا
لم کُیاس	سماج، اکھٹے	سمبا	خیال
سلبب	سایہ	سلڈوڈ	موسم
سولکر	پیالہ	ہُرپو	تیز، جلدی
ہلپو	کھلی، وسیع	ہب چھڈ	وجیہہ، قابل آدمی
کھمپا	مکان	ھمپا	ہمّت، خوداعتمادی
ہلماں	خوبانی	نیگس پا	دِل بہلائی
لنگپوڈُلدپ	تیز ہوا چلنا	ملڈوٹڈک	خوبصورت
میلونگ	آئینہ	نیلم	خواب
ِنت لگ	سونا	کھاچک	چپ
اُولے اُولے	اچھا اچھا	ٹھاچس	دیکھنا



لداخی		اُردو
ناجک سومی ستنگ نالیہہ نانو	:	میں تین روز بعد لیہہ سے واپس
کسے یونگس		آ گیا
لیہہ ہسپتال ناگیلا دُک	:	لیہہ ہسپتال اچھا ہے
ناسنگ ناژوق پُواِن	:	میں دل کا اچھا ہوں
صُنم ٹنگ بُوزرُزک	:	صُنم سچ بولتا ہے
حمید کھچل پاڈانگ چھت دُک	:	حمید کشمیری ہے
سنگے سنپو ینو مالم	:	دریائے سندھ نیو ما کی
ناتھور لا کلومیٹر چک گی تھک رنگ	:	سڑک سے نیچے ایک کلومیٹر دور
ناگیگ دُک		بہہ رہا ہے
ناسمس چھپا چزان	:	میں محبت میں مبتلا ہوں
ناسُلجھادُن ان	:	میں چائے پیتا ہوں
ڈنٹو ڈُن	:	کھانا کو کھانے
لنگسے	:	کھڑا ہونا
ڈُوک	:	بیٹھ جانا
لوٹنگ	:	گانے گانا
تھِنگ	:	نظم
چگلو	:	غزل
ناچھل	:	خبر

نوٹ: ممکن میں کسی جگہ کمی بیشی رہی ہو اس ضمن میں مصنف کو اطلاع کریں تا کہ آئندہ کتابہ میں پوری کی جاسکے"

لداخ کی اہمیت اور جانکاری

منفرد جغرافیائی خدوخال اور امن وسکونت کا خطہ لداخ ہمیشہ سے ملکی اور غیر ملکی سیاحوں اور مہم جوئیوں کے لئے کشش کا باعث رہا ہے۔ ننگے پہاڑوں کا یہ خطہ سطح سمندر سے کافی بلندی پر واقع ہونے کی وجہ سے عجیب وغریب لگتا ہے۔اس لئے اسے دُنیا کی چھت کا نام دیا گیا ہے۔ دشوار گذار راستوں، دروں، سخت چٹانوں، پُر پیچ گھاٹیوں، ترائیوں اور صحرائی ڈھلوانی وادیوں میں زندگی گزارنے والے اڑھائی لاکھ نفوس آبادی لداخیوں، تبتیوں، بلتیوں اور پرکھوں پر مشتمل ہے۔ان کی طرز حیات، زبان، سماجی معاملات اور تمدنی سرگرمیاں اور رسم ورواج گوکہ علیٰحدہ علیٰحدہ ہیں مگر یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ اکثر معاملات میں پورے لداخ میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔اصل میں یہاں دو نسل کے لوگ آباد ہیں، آریائی نسل اور منگولیائی نسل، آریائی نسل کی شکل و شمائل کشمیریوں کی شکل وصورت سے ملتی جلتی ہیں جب کہ منگولیائی نسل کا ناک ونقشہ چینی لوگوں سے ملتا ہے۔

لداخیوں میں یہ سب سے بڑی خصوصیت ہے کہ انہوں نے پرانے وقت سے چلے آرہے مذہبی رسومات، سماجی معاملات، رہن سہن، خوردونوش، ملبوسات، تہذیب وتمدن، فن طرز تعمیر اور دیگر امورات کو آج تک برقرار رکھا ہے اور اس میں تبدیلی نہ لانے کی سب سے بڑی وجہ یہاں کی سخت موسمی حالات اور پہاڑی ڈھلوان پر گذر بسر ہے۔

لداخی گھمپا میں سالانہ میلے لگتے ہیں اور بہت سارے تہوار شان وشوکت سے منانے کا سہرا لداخیوں کے ہے۔ اس قسم کے منعقدہ میلوں میں لداخی تہذیب، ثقافت، سماجی زندگی اور دیگر امورات سے متعلق جھانکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ان تہواروں میں شرکت کرنے کے لئے ہندوستان اور غیر ملکی بودھ مت کے عقیدت مند آتے ہیں۔ کئی گھمپاؤں میں آرٹ ومصوری کا بے بہا خزانہ محفوظ رکھا گیا ہے۔ در ودیواروں پر سینکڑوں برس سے مصوری کے اعلیٰ نمونے سجائے گئے ہیں۔

لداخ سے متعلق جانکاری حاصل کرنے کے لئے کئی انگریزوں نے کٹھن حالات میں یہاں ٹھہر کر کتابیں لکھی ہیں۔ کئی محققین کہتے ہیں کہ اس کے خدوخال چاند سے ملتے ہیں، اس لئے اسے چاند کا دیس Moon Land کا نام دیا گیا ہے، بقول سر دیو سنگھ مسافر، لداخ کی دھرتی چاند کی سطح زمین سے عین مطابقت رکھتی ہے۔ امریکہ کہ پہلی خلائی ٹیم نے چاند سے چٹانوں اور پہاڑوں اور سطح زمین کے جو نمونے لائے تھے، ان کی تحقیقات کی ایک کڑی کے سلسلے میں ایک سروے رپورٹ کے مطابق واحد لداخ کا ہی علاقہ ایسا ہے جس سے سطح زمین تقریباً چاند جیسی ہے، گو فرق صرف اتنا ہے کہ لداخ کے علاقہ میں کشش اتنی نہیں جتنی چاند پر ہے، لداخ کے کئی علاقوں میں آکسیجن کی کمی ضرور محسوس کی جاتی ہیں۔

یہاں آباد سادہ لوح لوگ سالہا سال تک بیرونی دُنیا کی مداخلت کے اثرات سے پاک وصاف رہے ہیں۔ اس وقت دُنیا کے تمام پُرسکون مقامات میں لداخ پہلے نمبر پر ہے۔ یہاں خالص قدرتی حسن موجود ہے۔ لداخ کئی معاملات میں دُنیا کی باقی جگہوں سے جداگانہ ہے اور اس کی انفرادیت کی وجہ

سے اس کی دُنیا میں بہت اہمیت ہے۔ لداخ کے متعلق کچھ جانکاری یوں ہے:

پہلا واحد لداخی جو کشمیر کا بادشاہ بنا:

تبت سے آیا ہوا تبّتی نسل کا راجکمار رینچن شاہ جو کہ رینچن بوٹہ کے نام سے جانا جاتا تھا، کے متعلق یہ تاریخ ہے کہ اُس نے اپنے باپ جو کہ تبیت کا راجہ تھا کے ساتھ اختلاف کی وجہ پر لڑائی کی اور لداخ سے ہو کر کشمیر بھاگ آیا۔ یہاں اُس نے کشمیر کے راجہ سیہہ دیو کے کمانڈر انچیف رام چند کو مار ڈالا اور اس کی بیٹی کوٹہ رانی سے شادی کی اور ۱۳۲۰ء میں اپنے راجہ ہونے کا اعلان کیا اس وقت کشمیر میں بدھ مت کو عرصہ تک لاگو نہیں کیا گیا تھا، اس نے اسلام قبول کیا اور صدرالدین نام رکھ کر پہلا مسلمان بادشاہ بن گیا۔

ارغونوں کے متعلق اصلیت:

زمانہ قدیم سے وسط ایشیاء کے مختلف حصوں اور کشمیر سے سوداگر اور بیوپاری سامان کی تبدیلی کے لئے لیہہ میں عرصہ تک ٹھہرتے۔ انہوں نے لداخی لڑکیوں سے شادیاں رچائی۔ نتیجتاً لداخی سوسائٹی میں نئی نسل معرض وجود میں آئی۔ بہت سارے وسط ایشیاء اور کشمیری مسلمانوں نے لداخی بودھی خاندان سے وابستہ لڑکیوں سے شادی کی اور ان کو ارغون کہا جانے لگا۔

جنرل زور آور سنگھ:

لداخی ماضی سے ہی علیحدہ خطہ تھا کیونکہ ہندوستان سے بہت دور بلند کوہ ہمالیہ کی سطح کا وہ حصہ جس کو بلند قامت برف پوش کوہسار سلسلوں نے گھیر رکھا ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے جب جان لیا کہ لداخ کا نظم ونسق نا اہل حکومت کے ہاتھ میں ہے تو اس نے اسے جموں کے ساتھ ملا کر ایک وسیع ریاست بنانے کا منصوبہ باندھا، جنرل زور آور سنگھ کی قیادت میں دس ہزار ڈوگرہ افواج

کشتواڑ، مڑوا، واڑون اور زانسکار کے دشوار گذار پہاڑوں کو عبور کرتے ہوئے ۱۶/اگست ۱۸۳۴ء میں لداخ کے حدود میں داخل ہوئی۔ لداخی فوج کے ساتھ مقابلہ آرائی کے بعد کٹھ پتلی لداخی حکومت بنا کر جنرل زورآور سنگھ واپس چلا گیا۔ کچھ مدت کے بعد وہ لداخ پھر آیا اور لداخ کو مکمل فتح کر کے اسے جموں کے ساتھ ملایا، اس طرح لداخ ریاست جموں وکشمیر کا ایک حصہ بن گیا۔ بعد میں زورآور سنگھ نے اسکردو (بلتستان) کو بھی فتح کیا اور پھر تبت چڑھائی کے دوران وہ (انلے) چنگ تھنگ کے مقام پر مارا گیا۔

لداخ میں سیاحوں کا داخلہ:

۱۹۴۷ء میں یارقند اور اسکردو کے راستے مکمل طور بند کئے گئے اور غیر ملکی سیاحوں کو لداخ میں داخلہ کے لئے پابندی لگائی گئی۔ پھر ۲۷/سال بعد ۱۹۷۴ء میں ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے یہ پابندی ہٹائی اور ۱۹۹۴ء میں نوبرا وادی اور شام علاقہ کے علاوہ چنگ تھنگ کے دربگ چھانگلا درہ سے نپکوگ جھیل اور نیوما بلاک میں اپشی منالی سڑک پر ٹنگلگلا درہ اور سرچو تک سیاحوں کے لئے چھوڑ دیا گیا، اس سے آگے ہماچل پردیش کا علاقہ آتا ہے۔ جب کہ اپشی نیوما سڑکیں صرف ماہی پل تک اور ماہی پل سے کرزوک جانے والی سڑک پر بہت سارا علاقہ معہ چھموریری جھیل آتا ہے اور یہ حصہ آگے سرچو تک سے جاملتا ہے۔ اس حصے پر سیاحوں کو باضابطہ اجازت نامے پر گھومنے کی اجازت ملتی ہے۔ جب کہ لداخ کے وسیع وعریض چنگ تھنگ کے بیشتر حصے بشمول نیوما، دمچوک، انلے، چشول اور ژھاگہ سرحد تک سیاحوں کے آنے جانے پر پابندی بدستور جاری ہے۔

لداخ اٹانومس ہل ڈیولپمنٹ کونسل:

۱۰/۱/اکتوبر ۱۹۹۳ء کو لداخ اٹانومس ہل ڈیولپمنٹ کونسل کو منظور کیا گیا اور ۸/مئی ۱۹۹۵ء کو ہندوستان کے اس وقت کے صدر نے اس کو لداخ اٹانومس ہل ڈیولپمنٹ کونسل ایکٹ آف ۱۹۹۵ء کے تحت اختیارات کے احکامات صادر کئے۔ ۳/ستمبر ۱۹۹۵ء کو اس کونسل کے ممبران کو گورنر آف جموں وکشمیر نے حلف برداری کی رسم انجام دلائی، کل ۲۶ کونسلروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا جن میں ۲۲ بلا مقابلہ کامیاب قرار دئے گئے۔

لداخ بدھسٹ ایسوسی ایشن

۱۹۳۴ء میں تین کشمیریوں، پنڈت شری دھر کول، شری نیل کنٹھ (انکم ٹیکس آفیسر) اور جی۔این۔شاہ (ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ مڈل سکول لیہہ) نے قائم کیا، جب وہ اِدھر بوجہ سرکاری ملازمت تعینات تھے۔ اس تنظیم کو ۱۹۳۷ء میں باضابطہ رجسٹرڈ کیا گیا۔ یہ لداخ میں پہلی کوئی علاقائی تنظیم بن گئی اس کے پہلے صدر ژھوانگ ریگزن تھے۔ سماج سدھار کی مہم چلانے کے ساتھ ساتھ اس وقت کی مقامی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھی۔

ماخوذ از ''آئینہ لداخ''



اقسام راضی لداخ

ماجنگ: زیادہ پیداوار دینے والے کھیت کا نام۔ یہ قسم سب سے اہم کھیت مانا جاتا ہے۔ درجہ اول کا کھیت جس میں گرم، مٹر، گندم، باغلہ، سرسوں اور آلو وغیرہ کاشت کیا جاتا ہے۔

باغ ماجنگ: اس قسم کے رقبہ میں میوہ دار درخت نصب کئے جاتے ہیں اور یہ درجہ اول کا ہی کھیت ہے۔ اس کھیت میں خوبانی، سیب بادام اور اخروٹ سیب ہوے ہیں۔

ہرجنگ: دوسرے درجہ کے کھیت کا نام ہے جس میں گندم، گرم مٹر، آلو وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے۔

باغ برجنگ: اس رقبہ جات میں دوسرے درجہ کے کھیتوں کا نام دیا جاتا ہے جس میں میوہ دار درختان نصب کئے جاتے ہیں۔

تھاجنگ: تیسرے درجہ کے رقبہ جات کا نام ہے اور درجہ دوم کے ہوتے ہیں۔ ان کھیتوں میں برجنگ کی طرح گندم۔ گرم آلو باغلہ و مٹر کی کاشت ہوتی ہے۔

باغ تھاجنگ: اس رقبہ جات میں میوہ دار درختان نصب کئے جاتے ہیں۔

چھس: اس قسم کے رقبہ جات میں سبزی و ترکاری مثلاً ساگ، پالک، مولی، شلغم، گوبھی کی کاشت ہوتی ہے۔ یہ اعلیٰ قسم کا کھیت مانا جاتا ہے۔

سچک: اس قسم کا رقبہ کا چوتھے درجہ کا مانا جاتا ہے۔ سال میں ایک فصل لینے کے بعد اگلے سال خالی چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اوتھنگ: اس قسم کے رقبہ جات میں چارہ وغیرہ کی کاشت ہوتی ہے اور یہ پانچواں درجہ کا اراضی ہے۔

بنجر قدیم بیدزار و سفیدزار: یہ رقبہ جات غیر مزروعہ کی تعریف میں آتا ہے اس رقبہ میں بید اور سفیدہ کے درختوں کے امبوجا پودے نصب کئے جاتے ہیں۔

بنجر قدیم ناسکور: یہ قسم عموماً چنگ تھنگ اور نوبرا کے سب ڈویژن میں آتا ہے۔ اور غیر مزروعہ کی تعریف میں آتا ہے۔ ایسے رقبہ جات میں جڑی بوٹیاں اور جھاڑیاں اور ادویاتی پودے ملتے ہیں۔

بنجر قدیم: رقبہ جات کئی سالوں رہنے کے بعد بنجر کی تعریف میں آتا۔ اور بہت سارے گاؤں میں کاہچرائی کی صورت میں ہوتے ہیں (یہ اکثر چنگ تھنگ) کے دونوں بلاکوں نیوما اور دربگ میں ملتے ہیں [غیر ممکن] اس قسم کے رقبہ جات میں غیر آبادی، کوہل، تالاب، راستہ وغیرہ ممکن وغیرہ ہوتے ہیں۔ لداخ کے اناج میوے اور سبزیاں رنگ، حجم اور مزے میں کشمیری پیداوار سے علیٰحدہ ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ بلندی اور ہوا میں نمی کی کمی ہے۔

(محکمہ مال نے زمانہ قدیم سے لداخ میں اراضی کو اسی طرح تقسیم کیا ہے۔ سب ڈویژنل مجسٹریٹ نیوما اور اگریکلچرل آفیسر نے اِس ضمن میں جانکاری دی)



لداخ میں اسلام ایک نظر میں

از: عبدالغنی شیخ لداخی

لداخ کی سرزمین صدیوں سے اسلام اور بدھ مت کا گہوارہ رہا ہے اور یہاں کے پہاڑوں اور ہریالی گھاٹیوں میں اذان کی صدائیں بلند ہوتی رہتی ہیں۔

جغرافیہ: لداخ کا رقبہ اقصائے چین سمیت تقریباً ۹۵ ہزار مربع کلومیٹر لیکن صرف ۶۲۰ مربع کلومیٹر کے رقبے میں کھیتی باڑی اور اقتصادی سرگرمیاں ہوتی ہیں، باقی علاقہ پہاڑوں کے سلسلے، دروں اور میدانوں پر مشتمل ہے بلندی اور کڑاکے کی سردی کی وجہ سے کھیتی باڑی اور انسانی آبادکاری ممکن نہیں ہے اپنے جغرافیائی خدوخال کی وجہ سے لداخ کو Moon Land چاند کی سرزمین Magic Land جادوئی دیش' اور دُنیا کی چھت Roof of the World کہا جاتا ہے اپنی لمبی تاریخ میں لداخ کو مختلف ناموں سے پکارا گیا ہے۔ بہت سارے مورخین نے ''تبت خورد' اور مغربی تبت کے نام سے لداخ کو یاد کیا ہے۔

آبادی: دو لاکھ کی آبادی میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب باون فیصد ہے، باقی بدھ مت کے پیروکار ہیں چند سو عیسائی بھی لداخ میں بستے ہیں۔ خطے میں دو ضلع ہیں۔ ضلع لیہہ اور ضلع کرگل۔ ضلع لیہہ بودھوں کی اور ضلع کرگل میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ضلع لیہہ کے مقابلے میں کرگل میں آبادی

قدرے زیادہ ہے۔ضلع لیہہ میں تقریباً بیس فیصد مسلمان آباد ہیں۔مسلمان لیہہ سمیت ضلع کے ۱۱۲دیہات میں سے ۲۵ دیہات میں بستے ہیں۔ان میں ۷ دیہات میں مسلمان اکثریت ہے۔ تقسیم ملک کے دوران چند دیہات سے مسلمان پاکستان ہجرت کر گئے۔اس سے مسلمانوں کی آبادی میں کچھ کمی آئی۔

لداخ کی مسلم آبادی سنی ،شیعہ اور نور بخشی پر مشتمل ہے۔سنی مسلمان حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔خطہ لداخ میں اہل سنت والجماعت کی تقریباً ایک سو گیارہ مساجد ہیں۔لیہہ کی تاریخی جامع مسجد لداخ کی سب سے بڑی مسجد ہے۔جبکہ کرگل ضلع میں سینکڑوں مساجد ہیں۔دور افتادہ زانسکار کی راجدھانی پدم کے ۱۰۰ گھرانوں کے لئے ایک جامع مسجد کے علاوہ دو اور مسجدیں ہیں۔پانی کھر نامی گھاؤں میں تین تین مسجدیں ہیں۔

لیہہ کی جامع مسجد تین سو تینتیس ۳۳۳ سال پہلے ۱۰۶۷ھ میں مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر اور لداخی راجہ دیلدن نمگیل کے مابین ایک معاہدے کے تحت تعمیر ہوئی۔لداخ ان دنوں مغلیہ حکومت کا باج گذار تھا۔ اور اس کے بدلہ مغل حکومت لداخ کی خودمختاری اور سلامتی کی ضامن تھی۔ شروع میں مسجد کا فن تعمیر لداخی اور تبّتی طرز کا تھا۔آج کل اسلامی فن تعمیر کے مطابق گنبد و مینار تعمیر کئے گئے ہیں۔قصبہ میں اس سے پرانی ایک اور چھوٹی مسجد ہے۔مسلم آبادی میں اضافہ اور سینٹرل ایشیاء اور کشمیر سے تاجروں کی آمد کی وجہ ایک بڑی مسجد کی ضرورت محسوس کی گئی۔اس لئے موجودہ جامع مسجد کی توسیع عمل میں آئی۔ مسجد میں حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کی ایک یادگار ہے۔ مقامی روایت کے مطابق انہوں نے مسجد کی تعمیر سے پونے تین سو سال پہلے

اس جگہ عبادت کی تھی۔ لیہہ اس پندرہ کلومیٹر دور شے مسجد میں بھی ان سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ لداخ کی سب سے پرانی مسجد ہے۔ پھر لداخ کے راستے سے چینی ترکستان تشریف لے گئے تھے۔

لداخ میں اسلام کی تاریخ

کشمیر کے مورخین اور نسل پہنچی ہوئی روایات کے مطابق پہلے اسلام کا پیغام حضرت میر سید علی ہمدانی جنہیں شاہ ہمدان بھی کہا جاتا ہے لداخ لایا۔ انہوں نے خطہ میں تبلیغ دین کا کام بھی کیا اور مورخین کے مطابق کئی مسجدیں بھی تعمیر کیں۔ پروفیسر مجیب کے مطابق ان میں ایک مسجد زنسکار کی راجدھانی پدم میں تعمیر کی۔ روایات کے مطابق حضرت شاہ ہمدان بلتستان بھی تشریف لے گئے جہاں خطہ کی قدیم ترین مسجدوں کی تعمیر کا سہرا ان کے سر باندھا جاتا ہے۔

تاہم ساتویں اور آٹھویں صدیوں میں جب لداخ بلتستان اور گلگت کا پورا خطہ چین، تبت، سنٹرل ایشیاء، عرب اور کشمیر کی معرکہ آرائیوں کا مرکز بنا تھا تو لداخ میں عرب فوجیوں کی نقل وحرکت اور تاجروں کی آمد ورفت تھی۔ لداخ کے ٹانکچے علاقے میں چٹانوں پر ایک قرآنی آیت اور عربوں کے نام تراشے ہوئے پائے گئے۔ ان میں ناصر ین صالح ابو منصور۔ ابوالایات اور زکریا ابن قاسم چند اہم نام ہیں۔ محققوں کے مطابق سنٹرل ایشیاء کے معرکوں اور دور کی سیاسیات میں ان کے نام ملتے ہیں۔

لداخ کے ہمسایہ ملکوں اور خطوں میں اسلام کے پھیلنے سے لداخ میں اسلام کی اشاعت کو تقویت ملی۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں مشہور عرب جرنیل قتیبہ بن مسلم نے ۷۰۵ء میں پائین ترکستان فتح کیا۔ ۷۵۱ء

میں عربوں نے دریائے طالاس پر چینی فوج کو فیصلہ کن شکست دی اور سنٹرل ایشیاء سے چین کی گرفت ختم ہوگئی۔ نویں صدی میں سارا سنٹرل ایشیاء حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

لداخ میں اسلام کا پہلا ذکر عباسی خلیفہ المامون (۸۳۳۔۸۱۳ء) کے دورِ حکومت میں ملتا ہے۔ ایک کتبہ میں جو افغانستان میں ملا تبت اور بلتستان کی فتوحات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا ہے۔ خلیفہ المہدی نے تبت سے خراج مانگا تھا۔ عرب مورخین یعقوبی، طبری، ابن خلدون، البیرونی، مسعودی وغیرہ نے تبت کا ذکر کرلیا ہے۔ ان دنوں لداخ تبت کا حصہ تھا۔

تیرھویں صدی میں کشمیر اس اسلام کی اشاعت ہوئی۔ شروع اس کا سہرا سنٹرل ایشیاء کے ایک خدا رسیدہ بزرگ سید شریف الدین کے سر ہے۔ وہ چینی ترکستان کے رہنے والے تھے۔ پہلے ان کے ہاتھوں اسلام قبول کرنے والا ایک لداخی شہزادہ رنچن شاہ تھا، سلطان صدر الدین کے نام سے وہ کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران بنا۔

سولہویں صدی کی شروعات میں بلتستان کے عام راجوں نے اسلام قبول کیا۔ حضرت شاہ ہمدانؒ نے پودا لگایا تھا۔ حضرت سید نور بخش نے اس کی آبیاری کی وہ ۱۵۰۰ء میں بلتستان اور کرگل آئے اور تبلیغی کام کیا۔ ان کے پانچ سال بعد میر شمس الدین عراقی پہنچے۔ شیعہ مسلک اختیار کیا۔ وہ لداخ کے پوریگ (کرگل) علاقے میں بھی آئے اور لوگوں نے ان کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔

کرگل کے بلتی سرداروں نے کشمیر اور سنٹرل ایشیاء سے وقتاً فوقتاً عالموں اور مبلغوں کو اپنے بچوں کو دینیات پڑھانے اور رعایا کو اسلامی تعلیمات سے

روشناس کرانے کے لئے مدعوکیا۔ اپنی بیٹیاں ان کے عقد میں دیں اور انہیں بسنے کے لئے زمین، مکان اور دوسری مراعات دیں۔

مغل شہنشاہ شاہجہاں کے دور حکومت میں لداخ حکومت میں لداخ مغل حکومت کا باج گزار بنا۔ لداخ کے راجوں نے کشمیر وغیرہ سے مسلمانوں کو مختلف امور کی انجام دہی کے لئے لداخ مدعو کیا۔ ان میں فارسی داں مترجم اور منشی شامل تھے۔ لدخی راجہ جمیا نگ نمگیل نے سات مسلم تاجروں کو لیہہ میں بسایا انہیں خاص مراعات حاصل تھیں۔ اور شاہی تاجر کہلاتے تھے۔ سنٹرل ایشیاء کو کشمیر کشتواڑ اور ہندوستان کے مختلف حصوں سے تجارت کے سلسلے میں لداخ اانے والے کئی تاجر لداخ میں بس گئے۔ اکثروں نے لداخی عورتوں سے شادی کی۔ لیہہ اور آس پاس کے دیہات کے سنی مسلمان انہیں کی اولاد ہیں۔ اور ان کی آبادی ہزاروں میں ہے۔ بلتستان سے سینکڑوں بلتی لداخ منتقل ہوئے اور لیہہ کے پاس آباد ہوئے۔ مسلمانوں نے پورے طور پر لداخی بودوباش خوراک اور پوشاک اختیار کی۔ لداخی زبان سیکھی البتہ اسلام کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھا۔

۱۸۶۹ء میں مسلمانوں نے لیہہ میں ایک مکتب کھولا جہاں دینیات اور مروجہ تعلیم دی جانے لگی۔ بعد میں ایک پرائمری سکول کھولا۔ اس وقت ضلع لیہہ میں مسلمانوں کے کئی پرائیویٹ تعلیمی ادارے ہیں۔ ان میں اسلامیہ پبلک انگلش میڈیم ہائی سکول اور امامیہ انگلش میڈیم ہائی سکول شامل ہیں۔ تیس دہائی میں سنی مسلمانوں کی فلاحی انجمن، انجمن معین الاسلام قائم ہوئی۔ شیعوں نے انجمن امامیہ قائم کی، نئی نسل کے مسلم لڑکوں اور لڑکیوں کی شرح خواندگی تقریباً سو فیصد ہے۔ بیسیوں مسلمان طلبہ اور طالبات لداخ سے باہر

تکنیکی اور تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم ہیں۔ تاریخ میں پہلی بار لیہہ کے پاس ٹھکسے نامی گاؤں میں تین چار سال پہلے ایک دینی مدرسہ مدرسہ علوم القرآن کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ جس میں فی الحال حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ علوم قرآن وحدیث کی تعلیم بھی دی جائے گی۔

مسلمانوں نے گذشتہ تین چار صدیوں میں علماء مہم جو، سرکردہ معمار، مجاہد آزادی، شاعر اور طبیب پیدا کئے ہیں۔ لداخی مسلمانوں کا لداخی ادب، زبان، پکوان خاص کر سماجی بیداری میں اہم رول رہا ہے۔ فی زمانہ عالم اسلام کے مشہور اسلامی ادارہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے علماء فضلاء اور دیگر تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل مقامی علماء اور مدرسۃ البنات مالیگاؤں ضلع ناسک مہاراشٹر کی تعلیم یافتہ عالمات لداخی مسلمانوں کو اسلامیات سے روشناس کرانے اور دینی بیداری لانے کے لئے ایک مؤثر مہم چلارہے ہیں جس کا خاطر خواہ نکل نتیجہ رہا ہے۔ لداخ زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ مولانا محمد عمر ندوی قاسمی کر رہے ہیں جو اس صدی کا اہم اسلامی کارنامہ ہے۔

[جناب عبدالغنی شیخ صاحب لداخ کے ایک سرکردہ ادیب کی حیثیت سے مقبول ہیں۔ ان کے لداخ کے متعلق بیشتر اردو اور انگریزی مضامین ملک کے مختلف رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں]



وادی نیوما

از: رتن کول

وادی نیوما کی ٹھنڈک، اس کی شہرت کو سلام
مدتوں سے پل رہی ہے ان کی محبتوں کو سلام

اس کے دامن میں چھپی ہے علم وفن کی چاہتیں
صنعت وحرفت سے پُران کی عادت کو سلام

سادگی معصومیت اور شرافت ہے اس کا راز
بنجروں سے گُل کھلانا انِ کی محبت کو سلام

اپنے آغوش میں لئے بیٹھی ہے موجِ سندھ کو
ریت سے سونا اگانا ان کی جرأت کو سلام

آرزوؤں اور امنگوں سے بھرا ہے ذرہ ذرہ
جان چھڑکتے ہیں جو اس پر ان کی ہمت کو سلام

اس کے سینے میں چھپا ہے سوز دل جوشِ جنون
تھام کے ہاتھ چل پڑے ان کی شفقت کو سلام

اس کی رگ رگ میں بسی ہے سادگی روح پروری
کانٹوں کی سیج پر ان کی راحت کو سلام

مہمان نوازی خاطر تواضع ان کی تہذیب کی اک مثال
راہ رؤں سے کہتے رہنا ان کی جولے کو سلام

چل رہا ہے کشمیر اور بودھی کا سنگم یہاں محبت سے
شیریں وفریاد کی مثال بنی اس خاموش محبت کو سلام

(بشکریہ ہفت روزہ خبر ونظر سرینگر ستمبر ۲۰۰۳ء)



رتن لال کول اصل میں بڈگام پارنیو گاؤں کے مکین کئی سال سے آنند نگر جموں میں رہائش پذیر ہیں راقم کے لداخی ہمسفر کے دوران قریبی مراسم رہے ہیں۔ محکمہ تعلیم کی ڈیوٹی لداخ میں بھلے طور نبھائی اور تقاریب میں حصہ لیا۔ پچھلے سال سے زونل ایجوکیشن آفیسر بڈگام کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔ (جولائی ۲۰۱۷ء)

ا۔ ابلتے گرم چشموں کی آماجگاہ چھُو ماتھانگ

لداخ کا خطہ پتھریلی صحرائی ڈھلوانی میدانوں بلند و بالا ننگے کوہساروں کا وسیع و عریض دیس ہے۔ اس کے شمال مشرق سے جنوب تک کا حصہ چنگ تھنگ کہلاتا ہے۔ قدرت کی کاریگری دیکھئے کہ ٹھنڈے موسم اور یخ بستہ ماحول میں بھی کہیں کہیں پتھریلی صحرائی زمین سے گرم چشمے پھوٹتے ہیں۔ لداخ کی ایک جگہ چماتھانگ اسلئے مقبول ہے کہ یہاں اس قسم کے کئی چشمے ایک ہی جگہ پھوٹتے ہیں اور گرم بھاپ کے لپکے اوپر اٹھتے ہیں۔ ایسے ہی ایک چشمے کے گرد بندش کی گئی ہے ادھر سے پختہ نالیوں کے ذریعہ یہ گرم پانی جدید طرز کے غسل خانوں میں پہنچ جاتا ہے۔

اس پانی سے متعلق سالہا سال سے یہ عقیدہ ہے کہ یہ بہت سے امراض کے لئے علاج ہے۔ دور دور سے یہی امید باندھ کر آتے ہیں کہ یہ گرم پانی جوڑوں کے درد اور ریح کے لئے کارگر ہے۔ پھوڑے پھنسی خارش اور کمر و جوڑوں کے درد میں مبتلا مریض اس پانی میں نہا کر صحت یاب ہوتے ہیں۔ زیر زمین پہاڑی دامن میں واقع اس رقبے پر اچھلتے گرم پانی میں کچھ معدنیات کے اجزاء بھی شامل ہیں جو صحت کے لئے مفید ہیں۔ جو کوئی لمبی بیماری کی وجہ سے بہت عرصہ نہ نہا سکا ہو وہ تو اس جگہ آکر پہلے نہائے تو کافی موزوں اور مفید رہتا ہے۔ اس پانی میں نہا کر جو لطف آتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ چونکہ یہ پانی کھولتا ہوا ہے۔ اس لئے ٹھنڈے پانی کی نالی بھی غسلخانوں کے باہر تک بنائی گئی ہے تاکہ ضرورت کے مطابق ٹھنڈا پانی ملایا

آس پاس دیہات کے ۸۰ طلباء وطالبات اس سکول میں زیر تعلیم ہیں۔ مگر ان میں ساٹھ فیصد لڑکیاں ہیں۔ میڈیکل ایڈ سینٹر میں علاج ومعالجہ کی سہولیات میسر ہیں۔ لداخ خود مختار ترقیاتی ربل کونسل اور سب ڈویژنل انتظامیہ نیوما اس گاؤں کی اہمیت کے پیش نظر اس کی تعمیر وترقی اور فلاحی پروگراموں کو عملانے کی طرف متوجہ ہے۔ جو آنگن واڑی سینٹر کھولا گیا ہے۔ وہاں کمسن بچوں اور دودھ پلانے والی ماؤں کی روزانہ مقوی غذا فراہم کی جاتی ہے۔ مال مویشیوں اور بھیڑ بکیریوں کی دیکھ ریکھ اور علاج ومعالجہ کے لئے دو مراکز کھولے گئے ہیں۔ راشن سپلائی سٹور سے رعایتی داموں پر آبادی کو غذائی اجناس فراہم کئے جاتے ہیں۔

چماتھنگ کی زرخیز مٹی سے گرم، مٹر اور چارہ کے علاوہ آلو بھی پیدا ہوتے ہیں عام لوگوں کا پیشہ کھیتی باڑی اور مال مویشی پالنا ہے۔ بھیڑ بکریوں اور یاکوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ پانی کی بہتات سے چلاتھانگ میں درختوں کے پھلنے پھولنے کے مواقع ہیں۔ اسی کے پیش نظر یہاں دو پلانٹیشن نرسریاں قائم کی جاچکی ہیں۔ یہاں جو کمیونٹی ہال تعمیر کیا گیا ہے اس میں گاؤں کے لوگ سماجی، ثقافتی اور مذہبی تقاریب کا اہتمام کرتے ہیں۔ لوگوں کی طبع تفریح کے لئے ادھر رنگین ٹیلی ویژن اور موسیقی کا سامان رکھا گیا ہے۔ یہاں کے لوگ باشعور ہیں اس لئے نیوما بلاک کا یہ حساس گاؤں تسلیم کیا گیا ہے۔ جہاں جنوب کی طرف چھموریری جھیل تھکچے گھمپا اور پہاڑی گلیشروں تک کا کم فاصلے کا ٹریکنگ روٹ ہے وہیں شمال کی جانب یا جھیل جو کافی بلندی پر واقع ہے ادھر سے دروں سے راستہ جاتا ہے۔ راستے پر جنگلی جانوروں میں ہرن لومڑی شامل ہیں، دیکھے جاسکتے ہیں۔ آگے ایک دن پیدل چل کر چشول آتا ہے۔ [۵ نومبر ۲۰۰۴ء چماتھانگ)

فلم حقیقت اور لداخ

۱۹۶۲ء میں ہوئے چین جنگ کا براہِ راست اثر لداخ کے شمالی مشرقی حصہ چنگ تھنگ پر پڑا۔ بیک وقت چینی فوج نے دمچوک اور چشول پر حملہ کیا۔ چشول کے پہاڑوں پر میجر شیطان سنگھ ۱۱۴ فوجیوں سمیت لڑتے لڑتے بلیدان ہو گیا۔ اس جگہ رگذنگ لا میدان میں ان کا یادگاری کتبہ اس جنگ کی صورتحال کی شناخت ہے یہ ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار ہے کہ اس سال سارے ملک میں دیوالی نہیں منائی گئی کیونکہ ہزاروں فوجی جنگ میں مصروف تھے۔ اور کچھ غائب تھے اسی پس منظر میں بمبئی کے پروڈوسر چیتن آنند نے ایک ہندی فیچر فلم ''حقیقت'' فلمائی جس کی ساری شوٹنگ لداخ میں ہوئی۔ اس جنگ کے واقعات کے پس منظر میں اس فلم میں اصل حقائق پیش کیے گئے۔ اس جنگ کے بعد مرکزی حکومت کی توجہ لداخ کی جانب زیادہ رہی۔ ۱۹۷۶ء میں ریلیز کی گئی اس دیش بھگتی فلم کے دل کو چھونے والے گیت سارے ہندوستان میں کافی مقبول ہو گئے۔ ان گیتوں کے بول یوں ہے۔

۱۔ مستی میں چھیڑ کے ترانہ کوئی دل کا

۲۔ کھلونا میرے دل سے

۳۔ ہو کے مجبور اس نے مجھے بلایا ہوگا

۴۔ اب کی آئی سال دیوالی

۵۔ میں یہ سوچ کر اس کے گھر سے چلا

۶۔ذراسی آہٹ ہوتی تو دل کہتا ہے

۷۔کر چلے ہم فدا جان وتن ساتھیو، اب تمہارے حوالے وطن ساتھیو



اول جون ۲۰۰۲ءکولیہہ میں منعقدہ سندھودرشن کے میلے میں شریک جہاں بہت ساری شخصیات نے خطاب کیا وہاں اس فلم میں کام کرنے والے وجے آنند نے بھی خطاب کیا۔ان سے لیا گیا میراانٹرویو ہفت روزہ خبرونظر سرینگر میں نومبر ۲۰۰۲ءکے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ہندی میں ممبئی کے اخبار ممبئی کے اخبار میں شائع ہوا۔

اس فلم میں پرڈیوسر چیتن آنند اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔وجے آنند کے ساتھ راقم کا خط و کتاب اور فون سے رابطہ لداخ سے ہوتا رہا اور وہ میری تجویز لداخ پر ایک فلم تیار کرنے پر غور کررہے تھے مگر فروری ۲۰۰۴ءمیں وہ اچانک دل کا دورہ پڑنے سے ممبئی میں فوت ہوگئے۔

(اول ستمبر ۲۰۰۴ء)

لداخی کلینڈر

اول جنوری ۲۰۰۴ء کو جمعرات تھی اور اسلامی کیلنڈر کے مطابق ۷ ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ جبکہ بکرمی حساب سے ماہ پوس کی ۹ تاریخ اور سال ۲۰۶۰ ب جبکہ اول محرم الحرام ۱۴۲۵ھ کو اتوار کا دن جو کہ ۲۲ ر فروری آیا اور اس روز بکرمی کے پھاگن مہینے کی ۲ تاریخ تھی۔ ۲۱ مارچ ۲۰۰۴ء کو بکرمی سال ۲۰۶۱ شروع ہوا اور یہ اتوار تھی۔ چاہے وہ شمسی ہو یا قمری ہر سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں۔ بکرمی کے مہینے یوں ہیں۔ چیت، بیساکھ، جیٹھ، ساڑھ، ساون، بھادون، کنوار، پھر کاتک، اگھن، پوس، ماگھ اور آخر پر پھاگن۔ ہندوستان میں ہندو قوم اسی بکرمی سنہ کو مانتی ہے اور یہی سنہ ریاست جموں وکشمیر میں ۱۹۴۷ء سے پہلے اور اس کے بعد سرکاری سنہ تسلیم کیا گیا تھا۔ تاریخ پیدائش، موت اور دیگر اجراء شدہ سرٹفکیٹ اسی تاریخ سنہ کے مطابق اندراج کیا جاتا۔ مرد، عورت اور اکثر بوڑھوں کو یہ پتہ ہوتا کہ آج کس مہینے کی کون سی تاریخ ہے۔ دسمبر جنوری کے ایام میں سخت سردی ہوا کرتی اور برف گرتی تو معلوم ہوتا کہ یہ پوس اور ماگھ کے مہینے چل رہے ہیں یعنی یہ بکرمی سنہ سوریہ (سورج) کی گردش کے ساتھ ساتھ موسمی حالت کے بدلاؤ کے مطابق چلتا ہے۔ پھاگن کے مہینے میں سردی کا اثر کم ہونے لگتا ہے اور چیت کو موسم بہار کی آمد کے ساتھ دن بھی بڑے ہو جاتے، ندی نالوں میں پانی آتا چشمے پھوٹ پڑتے، ہریالی اگ آتی، باغوں میں شگوفے پھوٹتے اور پرندوں کی چہچہاہٹ

اس بات کا پتہ دیتی کہ ہر طرف بہار ہی بہار ہے بیساکھ میں بہار پورے جوبن پر ہوتا ہے۔

لداخ جوکہ کافی اونچائی پر واقع ہے اور ریاست کا وہ خطہ ہے کہ اس کا سارا رقبہ پہاڑی سلسلوں، گلیشروں، صحرائی پتھریلے میدانوں کی آماجگاہ ہے۔ نچلے لداخ میں کم و بیش خوبانی کے درختان اور سبزیوں کی کاشت کی وجہ سے اس کی آب و ہوا کشمیر سے ملتی جلتی ہے نوبرا اور کھلسی بلاک کا داہ ہنو کا علاقہ زرخیز ہے مگر لیہہ کے شمال مشرق وجنوب کی جانب دورافتادہ پھیلے کارو بلاک، ٹنگسے اور نیوما بلاک میں چھوٹے چھوٹے صحرائی کھیت اور کہیں کہیں درخت اور چراگاہیں نظر آتی ہیں۔ نیوما بلاک ہے جس کی آبادی دس ہزار نفوس ہے جبکہ اسی کے شمال جانب دربگ بلاک اس سے جڑا ہے جہاں موسمی حالات سال بھر پیچیدہ رہتے ہیں۔ گویا کہ دونوں بلاکوں کو سب ڈویژن چنگ تھنگ کا نام دیا گیا ہے۔ یہاں کے میدانوں اور پودوں پر جون کے پہلے ہفتے سے ہریالی چھاتی ہے اور ستمبر کے دوسرے تیسرے ہفتے میں پودوں سے پتے بھی جڑتے ہیں اور فصل کی کٹائی سے کھیت ننگے ہو جاتے ہیں۔ لداخ میں بھی جہاں کشمیر کی طرح بکرمی سنہ میں سرکاری طور کام ہوا کرتا تھا۔ اب پوری ریاست جموں وکشمیر میں عیسوی تاریخ سے ہی کام چلایا جاتا ہے۔ اس لئے لداخ میں بھی ایسا ہوتا ہے۔

مگر لداخیوں کا ہر معاملے میں علیحدہ طریقہ ہے۔ جس طرح ان کی زبان، لباس، کھانا پینا مذہبی رسومات اور سماجی معاملات اور باقی طور طریقے دنیا سے مختلف ہیں اسی طرح ان کا کلینڈر بھی جداگانہ ہے۔ نہ تو یہ شمسی کلینڈر ہے۔ یعنی عیسوی سنہ اور نہ ہی قمری کلینڈر یعنی اسلامی سنہ اور نہ ہی موسمی کلینڈر

یعنی ہندوستان سنہ کو اپنے مذہبی اور سماجی طرز میں اہمیت دیتے ہیں۔ یہ صرف تبتی کلینڈر پر مکمل اعتقاد رکھتے ہیں۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ چاند کی گردش کے مطابق آتا ہے۔ تبتی کلینڈر جہاں تبت میں بھی چھپتا ہے وہاں لیہہ شہر کے مختلف مراکز بھی ہر سال اسکو تبتی ہندسوں اور زبان میں شائع کرتے ہیں۔ اس طرح تبّتی اور لداخی کلینڈر ایک ہی ہے تبت اور لداخ میں بودھی مذہب کے پھیلاؤ کی وجہ سے مسلم آبادی بہت کم ہے جبکہ عیسائی تھوڑے ہیں۔ ہندو دھرم کا کوئی اثر نہیں ہے اس لئے تبتی سنہ ہی رائج ہے۔ یہ سنہ زواتنگپو مہینے سے شروع ہوتا ہے جبکہ دوسرا مہینے نسپا، تیسرے کو سمپا، چوتھے کو زیپا، پانچویں کا ناپا چھٹے کو ٹکپا، ساتویں کو دنپا، آٹھویں کو گتپا، نویں کو گوپا، دسویں کو چوہا، گیارہویں کو چوچکپا اور بارہویں مہینے کو چوپنس کہتے ہیں۔

لوسر کا تہوار لداخ اور تبت میں اسی طرح منایا جاتا ہے جس طرح مسلمانوں میں عید، عیسائیوں میں کرسمس، ہندوؤں میں دیوالی وشیوراتری اور سکھوں میں بیساکھی منایا جاتا ہے۔ لوسر کا مطلب ہے نیا سال (لو= سال اور سر= نیا) تبتی کلینڈر کے تحت گیارہویں مہینے کی پہلی تاریخ سے یہ تہوار منایا جاتا ہے اس کے متعلق یہ روایت ہے کہ جب لداخی راجہ جمیا نگ نمگیل اسکردو لڑائی کے لئے نکلے تو راجہ نے حکم دیا کہ اس سال لوسر تہوار پہلے ہی منایا جائے تب سے لوسر منانے کے لئے اسی مہینے کا رواج ہو گیا۔ یہ لوسر دسمبر سے لے کر جنوری مہینوں میں آتا ہے لوسر سے پانچ دن پہلے اہم دن نم چتھ کی یہی اہمیت ہے کہ دسویں مہینے کے آخر پر ہی راجہ جمیا نگ نمگیال نے یہ تہوار منایا اور پھر اسکردو کو فتح کرنے کے لئے نکلے مگر وہاں پر گرفتار ہوئے۔

تبتی سال کے ۳۶۵ دن آتے ہیں کوئی مہینہ ۳۰ ایام کا ہوتا ہے اور کوئی

مہینہ ۲۹ ایام کا۔ یہ سنہ بھی چاند کے مطابق ہوتا ہے۔ بارہ سال کے عرصہ کو کوئی نام دیا جاتا ہے مثلاً وقت پر بو (بندر کا سال) چلتا ہے۔ اور ہر سال کو کسی بھی طور مانا جاتا ہے۔ مثلاً عیسوی سنہ ۲۰۰۱ اور ۲۰۰۲ تبتی سال ۲۱۲۸ چلتا تھا اس سال کو مادہ سانپ کا نام دیا گیا تھا۔ آج یعنی ی ۱۲ دسمبر ۲۰۰۴ء تبتی کلینڈر کے گیارہویں مہینے (چوچکیا) کا پہلا دن ہے۔ اور سال ۲۰۳۰ چلتا ہے۔

ماخوذ ''آئینہ لداخ'



لداخی عورت کا بدلتا روپ

لداخ ہندوستان کے شمال ومغرب میں ہمالیائی سلسلے سے جڑا ایک وسیع وعریض علاقہ کافی بلندی پر واقع ہے جہاں ننگے اور نگیلے پہاڑ ہی پہاڑ اور صحرائی وادیاں آتی ہیں۔ آکسیجن کی کمی سے یہاں خشک وسرد آب وہوا کی تاثیر ہے۔ اس خطے میں بسنے والے دو نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں یعنی آریائی نسل اور منگولیائی نسل آریائی نسل کی اکثر آبادی ضلع کرگل اور کھلسی بلاک کے داہ ہنو علاقے میں رہائش پذیر ہے۔ یہ لداخ میں زیادہ پُرکشش اور شکیل ہیں۔ منگولیائی نسل کے زیادہ لوگ ضلع لیہہ کے دور اُفتادہ چنگ تھنگ اور نوبرا میں رہائش پذیر ہیں۔ اس خطہ لداخ کا رہن سہن زبان رسومات، تمدن اور تعمیری ڈھانچے ملک کے دیگر علاقوں سے جداگانہ ہیں۔ اگرچہ یہ خطہ انتظامی طور صوبہ کشمیر سے اور ریاست جموں وکشمیر سے جڑا ہوا ہے مگر لداخ اٹانومس ہل ڈیولپمنٹ کونسل کے لیہہ اور کرگل میں قیام کی وجہ سے اس کو بہت سارے معاملات میں غیر معمولی اختیارات حاصل ہیں۔ ان کونسلوں کے قیام کا مقصد یہاں کی تعمیر وترقی کو مستحکم کرنا اور فلاحی پروگرام کو عملا کر یہاں کی آمدن بڑھانا ہے جس کا فائدہ مرد اور عورت دونوں کو ہو رہا ہے۔ رقبہ بڑا اور آبادی کم ہونے کے باوجود ماضی سے مورخوں اور سیاحوں کی کشش لداخ کی طرف رہی ہے۔

دور افتادگی، دشوار گذار اور راستوں کے بند ہو جانے کی وجہ سے لداخ میں ایسے سہولیات کمیاب ہیں جو Down میں ملتے ہیں۔ یہاں کے لوگ

سخت سردی کے مقابلہ کرنے اور مہم جوئی کی وجہ سے مقبول ہیں۔ یہاں کے مردوں سے عورتیں ہی زیادہ محنتی ہیں۔ اکثر جوان و بوڑھی عورتیں لیہہ کے دکانوں پر مال بیچتی ہیں۔ چنگ تھنگ میں تبتی رفیوجی عورتیں اور لداخی لڑکیاں بھی چین سرحد پار کر کے پیدل یا گھوڑوں پر سامان لاتی ہیں۔ سمنگلنگ کا مال لیہہ بازاروں تک زیادہ تر عورتیں ہی پہنچاتی ہیں۔ متعدد پروجیکٹوں، عمارات کی تعمیر اور سڑکوں کو نکالنے میں لداخی عورتوں کا زیادہ حصہ ہے۔ اکثر ان پڑھ عورتیں Gref کی زیر نگرانی مختلف سڑکوں کی تعمیر و تجدید کے لئے بطور قلعی بھرتی ہو چکی ہے۔ لیہہ کے بازاروں کی صفائی کرتی ہیں۔ پورے لداخ کے دفاتر میں زیادہ تر جاروب کش کے کام پر عورتیں ہی مخصوص ہیں۔ ہر دفتر میں کوئی نہ کوئی عورت دکھائی دیتی ہے کوئی چپراسی، کلرک، ٹائپسٹ اور اکاونٹنٹ حتیٰ کہ کسی کسی دفتر میں لداخی عورت ہی آفیسر ہے۔ لیہہ میں ایسے بھی دفاتر ہیں جہاں عورتوں کی تعداد مردوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ مردوں سے زیادہ اب عورتیں تعلیم کی طرف زیادہ گامزن ہیں۔

ان پڑھ عورتیں جو دور افتادہ جگہوں کی ہیں صرف لداخی سمجھتی ہیں یا پُرکھی (پوریگی) اور بلتی مگر کچھ تبتی عورتیں اپنی زبان کے علاوہ انگریزی بھی جانتی ہیں اور اُردو ہندی وہ عورتیں سمجھ اور بول سکتی ہیں جو لداخ سے باہر نکلی ہوں۔ عورتیں جہاں بھیڑ بکریاں، گائے، گھوڑے اور یاک چرانے کے لئے دور دراز پہاڑی میدانوں کا سفر کاٹتی ہیں وہیں بوائی کے دوران بنجر اور ریتلی زمین کو گھوڑوں اور یاکوں سے جوتتی ہیں۔ تعمیرات کے لئے اینٹیں چھوڑنا، بنانا، بوجھ اٹھانا اور پتھر ڈھونا عورتوں کا کام ہے۔ سردی کے ایام کے لئے گھوم گھوم کر گوبر اور لکڑی کے ٹکڑے اور سوکھی جھاڑیاں جمع کر کے گھر لانا عورتوں کے

ہی ذمہ ہیں۔لداخی عورتیں تعلیم یافتہ ہو کر بھی سلائی بنائی کے کام میں لگتی رہتی ہیں۔اور گھریلو کام میں بھی کافی محنت کرتی ہیں۔

یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے اور تجربہ کی بات ہے کہ کشمیری عورتوں کی نسبت لداخی عورتوں کا صحت مند ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ زیادہ محنتی ہیں۔ناز و نخرے، فیشن پرستی اور رسومات بد میں کم حصہ لیتی ہیں۔اپنے روایتی لباس کو پہننے میں ترجیح دیتے ہیں، اکثر عورتیں لمبا کوٹ غنچہ پہنتی ہیں۔جو چوغے کی شکل کا ہوتا ہے اور موسمی حالات کی وجہ سے یا تو کافی موٹا ہوتا ہے یا اونی۔سردیوں کے ایام میں پشمینہ اور اونی شال استعمال کرتی ہیں۔شادی کے وقت دلہن کو سر پر پیرکھ لگایا جاتا ہے۔اس سرپوش میں فیروزی اور باقی پتھر جڑے ہوتے ہیں اس کو یو کہتے ہیں اور پیرک کو کانوں کے ساتھ ژارو لگے ہوتے ہیں۔بدن پر کوٹ لگایا جاتا ہے جو جامہ کی شکل کا ہوتا ہے۔اور برابر پاؤں کی ایڑیوں تک ہوتا ہے۔ٹانگوں میں اونی تنگ پاجامہ لگاتے ہیں۔

داہ ہنو کی عورتیں اپنے اپنے سر کی اوڑھنی پر پھول ٹانکتی ہیں اس طرح ان کی خوبصورتی اور زیادہ جھلکتی ہے۔جوان اور ادھیڑ عمر کی عورتیں سر پر اونچی ٹوپی لگاتی ہیں۔مختلف تقاریب پر یہی چوغہ اور یہی ٹوپی پہن کر یا پیرک لگا کر ناچتی گاتی ہیں مہمانوں کے استقبال کے وقت ہاتھوں میں سرتل کیتلی کے منہ پر کاغذی پھول اور کتھک کا ساتھ رکھنا یہاں کے رواج میں داخل ہے۔

لداخ میں پردے کا رواج مفقود ہے۔لیہہ کے بازار میں شاذ و نادر ہی کوئی مسلمان عورت کو برقعہ پہنے دیکھا جا سکتا ہے۔کچھ مسلمان عورتیں سر پر اوڑھنی لگاتی ہیں۔مس اوشا شرما اپنی کتاب جو ۲۰۰۱ء میں شائع ہوئی ہے۔

Social Life of Jammu Kashmir and Ladakh میں یوں رقمطراز ہے۔

Women of Ladakh are equal partners in almost all walks of life. there is no pardah and they go about unveiled and run shops and work in field.

They are very good humoured and lively and healthy an d robust. By and large the Ladakhis are very happy comminity and are found of merry-making. They have Passionate love for dancing and dance is essential feature of all festivals and religous ceremonies. They are very polite, gentle and hospitable. How ever they are also very supersititious.

لداخی عورت کی خوبصورتی بالوں سے جھلکتی ہے ان کے بال ریشمی اور ملائم ہوتے ہیں۔ کشمیری عورتوں کی نسبت ان کے بال لمبے ہوتے ہیں۔ اکثر عورتیں بالوں کو کترا کر چھوٹا کرتی ہیں۔ لمبے بال ہونے اور نہ جھڑ جانے کی وجہ سے آب وہوا کے اثرات کے علاوہ بے فکر ہو کر جینا ہے۔ روزانہ بال دھونے کی عادت، پڑھی لکھی عورتوں میں ہے۔ پسماندہ دورافتادہ مقامات کی ان پڑھ عورتیں وہاں کے مردوں کی طرح صفائی کی طرف دھیان نہیں دیتی۔ میلی کچیلی رہنا اور بہت عرصے کے بعد نہانا لاعلمی کے ماحول، آپ وہوا کی وجہ اور

پانی کی کمی ہے۔لداخی عورت ادویات کا استعمال شاز و ناز ہی کرتی ہے۔

ایک مضمون نگار بی پی شرما لکھتے ہیں:

Their hair do especially on a festive occasion is very attractive. The woman plait their hair seven or more small tails, with which is mixed false hair of black wook to length on their foots. All tails and hair are united some way below the waist, and their tied together, a large tassel of black wool forming a finish at the bottom.

یہ ماضی کی بات ہے کہ آج ایسے بال نہیں رکھتیں۔البتہ دور دراز جگہوں پر آج بھی یہ رواج قائم ہے۔

زیر تعلیم لداخی لڑکیاں کافی قابل اور حساس بھی ہیں۔مختلف پروگراموں خاص کر تعلیمی تقریبات میں لڑکیاں ہی زیادہ تر پروگراموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔بحیثیت اناونسر لداخی زبان اور انگریزی میں ان کا بیان اور زبان کی فصاحت کافی اچھی ہے۔

لداخی اور انگریزی زبانوں میں ماہوار میگزین چھپتے ہیں جن میں عورتوں کے لکھے مضامین اور نظمیں بھی ملتی ہیں۔ایک ایسا ہی رسالہ Childrwn's Devachan میں ایک انگریزی Poem ایک لڑکی ستزن انگمو نے لکھی ہے۔جو اس کے جذبات اور لداخی ماحول کی عکاسی کرتی ہے۔

How beautiful is land of Ladakhe place

How compasionate the people are

Different kinds of festivals

Different kinds of culture

How peacful is land of Ladakh

How beautiful is this.

پچھلے تین سالوں کے دوران لداخ میں کئی فلمیں تیار کی گئیں۔لداخی زبان میں اس قسم کی فیچر فلموں کی نمائش لیہہ کے آڈٹوریم ہال میں کئی کئی ہفتوں تک ہوتی رہتی ہے۔دسمبر ۲۰۰۴ء میں Del-wa فلم کے روزانہ تین شو چلے۔ان فلموں کو دیکھنے کے لئے لڑکیوں کی تعداد لڑکوں سے زیادہ ہوتی ہے۔اس فلم میں کام کرنے والی ہیرو ہیروئن اور دیگر اداکار لداخی ہیں اور ساری شوٹنگ لداخ میں پچھلے سال ہوئی ہے۔فلم میں ہیرو کی نسبت ہیرئن کا رول بہتر لگتا ہے۔لداخ میں ناچ گانوں کے ویڈیو ٹیپ اور فلمیں دیکھنے کا چسکہ عورتوں میں زیادہ ہے۔

ضلع لیہہ کے کئی سکولوں میں لڑکیاں ۶۰ سے ۷۰ فیصد اور لڑکے ۳۰ سے ۴۰ فیصد زیر تعلیم ہیں۔ملک کے مختلف شہروں جموں چندی گڑھ، دہلی اور سرینگر کے تعلیمی اور ٹکنیکی کالجوں میں زیر تعلیم و تربیت ہیں۔فوجی چھاونیوں میں ان پڑھ عورتیں جز وقتی اور کل وقت طور پر کام کرتی ہیں۔لداخ سکاوٹس جو ہند چین جنگ کے بعد معرض وجود میں لایا گیا میں بھی کافی عورتیں تعینات ہیں۔کچھ لڑکیاں فوجی آفیسر بھی ہیں۔عورتوں کے اس طرح روزگار کے وسائل نے لداخی گھرانوں میں کافی تبدیلی لائی ہے۔پہلے پہل آمدنی نہ ہونے کے برابر تھی۔اب روپے کی ریل پیل سے جو خوشحالی لداخ میں نظر آتی ہے۔اس میں عورت کا بڑا حصہ ہے۔کیونکہ لداخی عورت صرف گھریلو عورت ہی نہیں ہے

بلکہ مردوں سے کہیں زیادہ بیرونی ماحول میں سرگرم عمل نظر آتی ہے۔ لداخ کا ماحول ہی ایسا ہے کہ یہاں عورتوں کو غیر مردوں کے ساتھ آزادی سے کام کرنے گھومنے پھرنے اور میل جول بڑھانے پر کوئی سماجی رکاوٹ نہیں ہے۔

لداخیوں کی شادی بیاہ کی رسومات عجیب وغریب ہیں۔ اسکے لئے علیحدہ مضمون لکھ کر جانکاری دی جاسکتی ہے۔ البتہ یہاں اتنا ضرور لکھا جاتا ہے کہ لڑکی کے والدین کو جہیز کے لئے کوئی مانگ نہیں کی جاتی ہے۔ بلکہ لڑکے کو ہی شادی کا کچھ خرچہ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ لداخ کی شادیوں میں اتنا خرچہ نہیں ہوتا جتنا کہ بھارت کے شہروں قصبہ جات اور دیہات میں۔ ادھر شادی بیاہ اور دیگر رسومات میں عورتیں اس طرح فضول خرچی نہیں کرتیں جس طرح کہ کشمیری عورتوں کی عادت رہتی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ لداخی عورتوں میں کفایت شعاری مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔

اس پہاڑی دیس میں رہائش پذیر عورتیں بلا وجہ غم نہیں کرتیں۔ پریشان نہیں ہوتیں اور نہ دوسروں کو بلا وجہ پریشان کرتی ہیں۔ ان کی صحت، توانائی اور جسمانی ساخت نازک نہیں بلکہ ان میں کافی چستی پھرتی ہے۔ مگر کشمیری عورتوں کے ساتھ یہ خوبصورتی میں مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ اگرچہ کچھ لداخی عورتوں میں صاف ستھرائی اور خوبصورتی جھلکتی ہے مگر ناک کا چپٹاپن اور قد کی کمی اس خوبصورتی کو کم کردیتی ہے۔ عام طور لداخی عورتوں کے چہرے گول اور پرخمار آنکھوں کی وجہ سے کشش جھلکتی ہے۔ ان عورتوں کے بال نہ جڑنے کی وجہ آب وہوا، بغیر ملاوٹ کے کھانے کی دستیابی اور ذہنی تناؤ سے آزادی ہے۔

لداخ میں Inter Religious Marriage یعنی بین الازدواجی

کا سلسلہ پہلے سے چالو ہے۔اس وقت بھی دونوں اضلاع لیہہ اور کرگل میں ایسے گھرانے ملیں گے جو بودھ اور مسلمان تو ہیں مگر آپس میں رشتہ دار ہیں۔ ماضی قریب تک کچھ گھرانے ایسے تھے جہاں میاں بیوی اپنے اپنے مذہب کے پیروکار تھے۔مگر کچھ بودھ لڑکیاں تو اسلام قبول کر کے گذر بسر کرتی ہیں۔

لیہہ کے ایک کروڑ پتی مسلمان کی بیوی سے بات کرنے کے دوران اس نے یوں جواب دیا ''میں نے تیس برس پہلے اپنی مرضی سے اسلام قبول کر کے اپنے من پسند دوست سے شادی کی ہمارے دولڑکے اور ایک لڑکی ہے ایک تو لندن میں بغرض تعلیم و تربیت ہے اور لڑکی گزٹیڈ آفیسر بن چکی ہے''۔

لیہہ کے آس پاس کچھ ایسے گھر تھے جہاں مختلف مذاہب کے ماننے والے اور اکٹھے رہتے تھے مثلاً مسلمان باپ، بودھی ماں، لڑکا مسلمان بہو عیسائی۔ کہتا جائے کہ یہ رسم دودھائی پہلے صرف کوکشو گاؤں میں تھا اب وہاں بھی ختم ہوگئی ہے۔لیہہ میں کئی ماڈرن گھرانے ایسے ہیں جن کو انگریزی تہذیب کی مکمل چھاپ پڑ چکی ہے۔البتہ عیسائی بہو قبول کی جاتی ہے۔ایسے گھرانے سارے لداخ میں ایک درجن سے کم ہوں گے۔

ایک جگہ دورے کے دوران ایک لڑکی سے میرا تعارف ہوا تو اس نے بتایا میرا بھائی بنگلہ دیش میں رہ کر عیسائی بن گیا اور پھر میں نے یہی دھرم اختیار کیا۔ ماتا پتا اصل میں بودھ دھرم کے ہیں۔ یہاں کے گرجا گھر کی یہی لڑکی دیکھ بال کرتی ہے۔

پچھلی دودہائیوں کے دوران غیر ملکی سیاحوں کے بے پناہ آمد سے لداخ کے ماحول میں ان کے میل جول کا گہرا دخل ہوا ہے۔لداخی عورت کے طور طریقوں، لباس، چال ڈھال اور دیگر معاملات پر براہ راست اثر پڑا۔ تبتی

عورتوں کے چین اور ہندوستان کے کئی شہروں میں آنے جانے کی وجہ سے بھی لداخی عورتوں کے طور طریقوں پر اثر پڑا۔ لیہہ کے بازاروں میں شادی شدہ عورتیں بھی کوٹ پتلون اور ایک پہنتی نظر آتی ہیں۔ تعلیم کے پھلنے پھولنے سے بھی لداخی لڑکیوں میں کافی تبدیلی آئی ہے۔ روزگار کے اچھے مواقع ملنے کے بعد وہ شادی کی فکر کرتی ہیں۔ ایسے تعلیم یافتہ عورتیں پولنڈری (Polyandry) یا ایک عورت کے ایک سے زیادہ شوہر سے انکاری بن جاتی ہیں۔ اپنی من پسند کی شادی صرف ایک مرد سے کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ پولنڈری کی رسم اب قریب قریب ختم ہوئی ہے۔

کچھ کہتے ہیں کہ مشترکہ بیوی بننے کے خوف سے عورتیں بکھشو بن جاتی ہیں۔ میرا خیال ہے زیادہ تر عورتیں پرچار سے متاثر ہو کر نن بن جاتی ہیں اور عمر بھر شادی نہ کرنے کو ترجیح دیتی ہیں۔ اس قسم کی عورتوں کو چموبھی کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں لاما اور چمو صرف گھمپا میں رہا کرتے تھے اور اکٹھے بیٹھتے تھے۔ سالوں سے انہیں علیٰحدہ علیٰحدہ نئی رہائش گاہیں اور سکول بنائے گئے ہیں۔ اب چمو کو اسی طرح ماں باپ کے گھر جانے کی اجازت ملتی ہے جس طرح کہ لاما کو۔ ان لاما اور چمو کو صرف مذہبی امورات کی ذمہ داری رہتی ہے۔ گھروں میں بچہ کے نم، شادی، مرتی اور تہواروں پر بودھی رسومات کی ادائیگی ان کی ذمہ داری رہتی ہے۔ اگرچہ چموں کو لاماؤں سے دوسرا درجہ رہتا ہے مگر لداخی عورتوں سے یہ عورتیں خاصا درجہ رکھتی ہیں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا تعلیم یافتہ لڑکیاں جو میٹرک کے بعد چمو بنتی ہیں کا طور طریقہ اور نفاست پسندی گھریلو عورتوں سے کافی بہتر نظر آتا ہے۔

۲۲ دسمبر ۲۰۰۴ء

ریاست جموں وکشمیر کے سب سے بڑے گاؤں چھچھوت (لداخ) کی اہمیت

ریاست جموں وکشمیر کا وسیع وعریض خطہ لداخ اپنے جغرافیائی خدوخال آب وہوا، رہن سہن، زبان اور تمدن کے علاوہ دیگر امورات میں انفرادیت رکھنے کی وجہ سے دنیا میں مقبول ہے۔ بلند قامت ننگے کوہساروں اور ٹھنڈی صحرائی وادیوں کا یہ دیش اگرچہ کم آبادی کا ہے مگر خاموش پرسکون ماحول کی وجہ سے ملکی اور غیر ملکی مورخوں اور سیاحوں کے لئے دلچسپی اور کشش رکھتا ہے۔ سطح سمندر سے کافی بلندی اور بنجر زمین کے باعث یہاں پیداوار کافی کم ہے۔

لداخ کی کوئی نہ کوئی جگہ اپنی انفرادیت کی وجہ سے مشہور ہے۔ ان میں چھچھوت نام کا گاؤں بھی ہے۔ اس کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ پورے لداخ میں آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا گاؤں ہے۔ دریائے سندھ کے مغربی کنارے ستوک پہاڑی سلسلے کے دامن میں ڈھلوان پر پھیلا یہ گاؤں کافی وسیع وعریض ہے۔ جہاں چاروں طرف نیلے آکاش کو چھوتے پہاڑ ایک دلکش منظر پیش کرتے ہیں۔ وہیں اس کے سامنے چغلم سر ایک چھوٹے شہر کی گہما گہمی بھی اس کی خوبصورتی کو بڑھاتا ہے۔ لیہہ سے اُپشی جانے والی سڑک پر آٹھ کلومیٹر دور چغلم سر آتا ہے دائیں طرف مڑنے والی سڑک پر دریائے سندھ لگے پل کے پار سے چھچھوت شروع ہوتا ہے۔ جو مغرب جانب ٦ کلو

میٹر ستوک پہاڑی تک لمبا ہے جبکہ شمال سے سپتک تک جنوب سے ستکنہ تک پھیلا ہوا ہے سپتک سے سکتنہ تک ۳۰ کلومیٹر دوری ہے اس طرح چھچھوت کا رقبہ ۱۸۰ مربع کلومیٹر ہے۔ تین حصوں گوما، یوگما اور شما کا یہ گاؤں ریاست جموں و کشمیر میں رقبہ کے لحاظ سے اول نمبر پر ہے۔ اس گاؤں کی کل آبادی اندازاً ۲۰ ہزار نفوس ہے جو ضلع لیہہ کے ایک بلاک کی آبادی سے کہیں زیادہ ہے۔ گاؤں کی نگرانی کے لئے تین گوبا (نمبردار) ہیں۔ آدھی سے کم آبادی بودھی دھرم کے پیروکار ہیں اور نصف سے زیادہ آبادی مسلمانوں کی ہے۔ تین گھمپاؤں کے علاوہ ۲ امام باڑے اور ۱۶ مساجد والا یہ گاؤں پورے ہندوستان میں رقبے کے لحاظ سے سب سے بڑے گاؤں شمار کیا جاتا ہے۔ جبکہ پورے لداخ میں آبادی میں بڑا گاؤں مانا جاتا ہے۔ دونوں بودھ اور مسلمان گھرانے آپس میں امن و برادری، محبت اور بھائی چارہ کے ساتھ گزر بسر کرتے ہیں۔ چھچھوت کے لوگوں میں خوش اخلاقی، زندہ دلی اور نفاست پسندی پائی جاتی ہے۔ ایک دوسرے کو عزت واحترام کرنا اور مہمان نوازی ان کی عادت ہے۔

چھچھوت کے باشندے روایات، رسومات، فن تعمیر اور دیگر معاملات میں لداخی معاشرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی زبان لداخی ہے مگر کچھ بلتی اور اردو زبان بھی گھروں میں بولتے ہیں۔ یہ لوگ منگولیائی نسل کے ہیں۔ کچھ بلتی، دردی اور بوٹہ نسلوں سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔

چھچھوت گاؤں کے نام پڑنے کے متعلق یوں روایت ہیں کہ قدیم زمانے میں یہ علاقہ ایک جھیل تھا۔ اس کے بعد ادھر سے پانی خارج ہو کر دریائے سندھ میں چلا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس علاقے کی زمین زرخیز ہے۔

چھچھوت کے معنی لداخی میں یوں ہے پانی کا وسیلہ ختم ہوا یعنی Water Resource as ended the water چھوہ کا مطلب ہے پانی اور چھوت کا وسیلہ ختم ہوا۔

کہا جاتا ہے کہ بلتستان سے گزرنے والے دریائے شیوک میں جب سیلاب آیا جس نے وہاں کافی تباہی مچائی تب سینکڑوں برس پہلے وہاں سے کچھ بلتی گھرانے ہجرت کر کے لیہہ آ گئے پھر چھچھوت کی خالی زمین میں آباد ہو گئے چھچھوت کے اکثر گھرانے دور دور بستے ہیں مکانات کے سامنے کھلے صحن، ساگ سبزیوں کی کیاریاں باغیچے اور آس پاس کافی زرعی زمین نظر آتی ہے۔ یاکوں اور زومبو گائے کو زمین جتائی کے کام میں لایا ہے۔

اپشی ایگو کی جگہ دریائے سندھ سے آبپاشی کی ایک نہر نکالی گئی ہے۔ چھچھوت سے لے کر پھوہوسپتک تک دریائے سندھ کے کنارے پانی کے وسائل اور ستوک پہاڑی گلیشروں سے آیا ہوا پانی پیداوار کو سیراب کرتا ہے۔ باجرہ، گندم، آلو، مٹر اور سبزیوں کی کاشت چھچھوت میں بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ یہ پیداوار گاؤں کی گنجان آبادی کے لئے نہ صرف ضروریات پورا کرتی ہے۔ بلکہ لیہہ بازار بھی سبزیوں کو بھیجا جاتا ہے۔ روزانہ ایک ہزار لیٹر دودھ کی مقدار لیہہ کے بازاروں کو سپلائی کئے جانے سے گاؤں کی آمدن میں اضافہ ہوا ہے۔

مقامی کونسل کے علاوہ مخلوط نسل کی گائیوں کی تعداد بڑھ جانے سے دودھ کی پیداوار میں اور اضافہ ہونا یقینی ہے۔ پہاڑی دامن کی چراگاہوں میں یاکوں کے علاوہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ گھومتے چرتے نظر آتے ہیں۔ اس گاؤں کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ جھاڑی نما پودے Scaba Thrown

چھاسٹالو کہتے ہیں جابجا ملتے ہیں۔ فیلڈ ریسرچ لیبارٹری FRL لیہہ نے اس کو متعارف کرایا اس کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ان جھاڑی پودوں پر اگے چھوٹے پھلوں میں وٹامن موجود ہے۔ پھر ان پھلوں سے جوس و جام تیار کیا جانے لگا اور پتوں سے واسنیل بنانے کا تجربہ بھی کارآمد ہوا اس طرح یہ ایک گھریلو صنعت بن گئی جس کی بدولت یہ آمدن کا ایک وسیلہ ہوا۔

چھچھوت کے لوگ جہاں کافی محنتی ہیں اور اپنے کام کاج اور کاروبار میں مشغول رہتے ہیں وہیں یہ تفریح شوق کھیل کود میں بھی دلچسپی لیتے ہیں۔ یہاں کے طلباء وطالبات نے کئی تعلیمی اور کھیل کود پروگراموں میں امتیازی اپوزیشن حاصل کی ہیں۔ مختلف تہواروں اور تقریبات پر اکٹھے جمع ہونا لداخی ماحول کا حصہ ہے اسی طرح لوسر میلے کی تقریبات چھچھوت میں خاص روایات اور دلچسپی سے منائی جاتی ہیں۔

یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ سرکاری ملازمت آمدنی کا بڑا وسیلہ ہے اور اسی آمدن سے یہ کافی ترقی کرنے لگا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق چھچھوت میں ۵۰۰ چھوٹے بڑے سرکاری ملازمین وآفیسران ہیں جو پورے لداخ کے ہر ایک اور ہر محکمے میں نظر آتے ہیں کچھ آفیسران وملازمین سرینگر کے کئی دفاتر میں بھی معمور ہیں۔ تعلیمی شعبے میں چھچھوت آگے ہے اور یہاں شرح خواندگی ۵۰ فیصد پہنچ ہوگئی ہے۔ یہاں حکومت نے آٹھ سکول کھولے ہیں جن میں ایک ہائر سیکنڈری، ایک ہائی، تین مدل اور تین پرائمری سکول شامل ہیں۔ اس کے علاوہ پرائیویٹ سطح پر ایک اسلامی مشن امامیہ ہائی سکول اور انگلش میڈیم سینٹ پیٹر ہائی سکول بھی سرگرم عمل ہیں۔

لوگوں کو علاج ومعالجہ بہم رکھنے کے لئے پرائمری ہیلتھ سینٹر اور

دو میڈیکل ایڈ سینٹر کام کرتے ہیں۔ مویشوں اور بھیڑ بکریوں کی پرداخت کے لئے ۶ مراکز کھولے گئے ہیں۔ جہاں وسیع وعریض جگہ پر ایک زرعی فارم قائم کیا گیا ہے۔ وہیں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرداخت کے لئے دو فارم بھی نظر آتے ہیں۔ چھچھوت کے ذرخیز رقبے سے اور پیداوار بڑھانے کے لئے آبپاشی کے ذرائع کو وسعت دینے کے لئے حکومت توجہ مرکوز ہوئی ہے۔ ستکنہ سے آگے جارہی ۴۴ کلومیٹر لمبی اس اری گیشن نہر پر مجموعی طور ۴۹ کروڑ روپئے صرف کئے گئے ہیں۔ چھچھوت کی آغوش میں پھیلے ۱۲ ہزار ایکڑ رقبے کو اسی پروجیکٹ کی بدولت سیراب کیا جاتا ہے۔ اسی اریگیشن کنال پر ۳ میگاواٹ کا ایک پاور پروجیکٹ تکمیل ہوا ہے جس پر ۳۴ کروڑ ۸۲ لاکھ روپے صرف کئے جاچکے ہیں۔

حکومت جموں وکشمیر ضلع لیہہ کے اس مشہور و مقبول علاقے کی تعمیر وترقی اور فلاحی وبہبود کی توجہ کے لئے کافی کوشاں ہے جو کافی اہمیت کا حامل ہے۔

حمیداللہ حمید

اکتوبر ۲۰۰۵ء



ریاست جموں وکشمیر ایک نظر میں

حدود اربع:

مشرق میں تبت وچین، شمال میں چین، مغرب شمال میں، افغانستان، روس، مغرب میں پاکستان، جنوب میں ہماچل پردیش، پنجاب۔

رقبہ:

222236 مربع کلومیٹر

اس میں پاکستان کے زیر قبضہ 78114 مربع کلومیٹر

پاکستان کی طرف سے چین کو زیر قبضہ 5180 مربع کلومیٹر

اور چین کے زیر قبضہ لداخ سے علاقہ 37555 مربع کلومیٹر بھی شامل ہے

خطّے: تین (جموں۔ کشمیر۔ لداخ)

ضلع:

22۔ جموں، سانبہ، کٹھوعہ، اُدھم پور، ریاسی، پونچھ، راجوری، رام بن، کشتواڑ، ڈوڈہ، اننت ناگ، کولگام، شوپیان، پلوامہ، بڈگام، بارہمولہ، کپواڑہ، بانڈی پورہ، سرینگر، گاندربل، کرگل، لیہہ

قصبہ جات: 75

دیہات: 6652

اسمبلی حلقے:

89۔ (اس کے علاوہ پاکستان کے زیر قبضہ آزاد کشمیر کے لئے 125 اسمبلی سیٹیں ہیں)

قانون ساز کونسل: 36 اراکین

بھارتی پارلیمنٹ میں نمائندگی

6 لوک سبھا نشستیں: جموں، اُودھم پور، اننت ناگ، سرینگر، بارہمولہ، لداخ۔۔۔۔ 6 راجیہ سبھا نشستیں:

راجدھانی:

سرینگر میں مئی سے اکتوبر

جموں میں نومبر سے اپریل

رقبہ کے لحاظ سے بڑا بلاک: نیوما (ضلع لیہہ)

رقبہ کے لحاظ سے بڑا گاؤں: چھچھوت (ضلع لیہہ)

آبادی کے لحاظ سے چھوٹا ضلع: ضلع کرگل۔ جن کی 2001 کی مردم شماری 115227 نفوس ہے۔

رقبہ کے لحاظ سے بڑا ضلع: ضلع لیہہ 82665 مربع کلومیٹر خالص موجود قبضہ

رقبہ کے لحاظ سے چھوٹا ضلع: ضلع شوپیان

شرح خواندگی میں آگے ضلع: ضلع جموں 2001ء کے مطابق 77.30 فیصد ہے۔

شرح خواندگی میں: بچھڑا ضلع: ضلع کپواڑہ میں 2001 کے مطابق 40.80 فیصد ہے۔

زبانیں بولی جاتی ہیں:

کشمیری، ڈوگری، اُردو، پنجابی، گوجری، پہاڑی، بودھی، بلتی، پُرکھی، شنا، تبتی، پستو۔

سرکاری زبان: اُردو

لداخ سے چودھری ضیا کو خط

نیوما (چنگ تھنگ)

۳۰/اکتوبر ۲۰۰۲ء

محترم المقام چودھری ضیا صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ‘

اُمید ہے کہ مزاج شریف بخیر ہوں گے۔ کئی بار فون کیا مگر Engage مِلا اگرچہ ابتداء میں آ کر یہاں آپ سے فون پر بات ہوتی رہی۔ آپ نے ڈائریکٹر ریڈیو لیہہ اور ڈائریکٹر دوردرشن لیہہ کے لئے جو دو چھٹیاں دی تھیں وہ یونہی میرے پاس پڑی ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ لیہہ اگر کبھی کبھار جانا پڑا تو دو تین دن ٹھہر کر وہاں دفتری کام میں اُلجھ کر ریڈیو ٹی وی پر نہ جا سکا۔

اگرچہ میری روانہ کردہ خبریں لیہہ کے ریڈیو اور ٹی وی پر آتی ہیں مگر خود جانے کا موقعہ نہ آیا۔ میں آپ کے سٹیشن کا مشکور ہوں کیونکہ اکثر و بیشتر سرینگر سے نیوما کے متعلق پریس نوٹوں کو وہ نشر کرتے ہیں۔ چنگ تھنگ گمنام تھا اس سال ریڈیو کشمیر کی خبروں نے اس کو گمنامی سے نکال دیا۔ راقم نے اُردو اور کشمیری میں خبرنامہ روانہ کیا تھا پتہ نہیں کہ وہ نشر ہوا کہ نہیں۔ اگلے ماہ خبرنامہ تیار کر کے دو کاپیاں آپ کو ضرور روانہ کروں گا۔ یہاں اخبار نہیں آتے البتہ ہفتے میں صرف چار بس سروس لیہہ سے ادھر آتی ہین ان ہی میں دہلی کے اخبارات لیہہ سے میرے دفتر آتے ہیں۔ ریڈیو کشمیر بھی صاف نہیں آتا

ہے۔ دوردرشن ریلے سنٹر کی بدولت صرف ٹی وی پر DD2 آتا ہے۔ ریڈیو سٹیشن ریلے سنٹر کا کام اِن دنوں چالو ہے اس کے تکمیل کے بعد ریڈیو صاف آئے گا۔

باقی کیا لکھوں؟ یہاں صبر وتحمل سے سرکاری ملازمت کرنا پڑتی ہے۔ روزمرہ چیزیں مُشکل سے ملتی ہے۔ سفرنامے، مضامین اور نظم وغزل لکھ رہا ہوں۔ اگلے ماہ ایک ماہ چھٹی پر آنے کا پروگرام ہے۔ انشاء اللہ پھر ملاقات کے لئے حاضر ہو جاؤں گا۔ لداخ کے متعلق ریڈیو سے پروگرام دینے کے لئے بات ہوگی۔ یہاں سے کشمیر خط پہنچنے میں دس پندرہ دن لگتے ہیں۔ اگر یہ خط ۲۰ رنومبر کے بعد ملے، جواب مت لکھیں کیونکہ نومبر کے تیسرے چوتھے ہفتے یہاں سے نکلنے کا ارادہ ہے۔

میری طرف سے نیوز سیکشن کے تمام اصحاب خاص کر عبدالاحد فرہاد صاحب کو دل کی عمیق گہرائیوں سے سلام اور نیک خواہشات۔ دعاؤں میں مجھ پردیسی کو یاد رکھیئے۔ خدا حافظ۔

خلوص کے ساتھ

حمید اللہ حمید

محترم چودھری غلام حسن ضیا صاحب
سیٹشن ڈائریکٹر ریڈیو کشمیر سرینگر



لداخ سے دوست مختار نحوی کو نامہ

ازطرف حمید اللہ حال مقیم نیوما چنگ تھنگ لداخ
مورخہ ۲۱ رمئی ۲۰۰۳ء بروز بدھوار
بچپن کے دوست مختار
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

پرسوں یہاں میرے ہمسفر لیکچرار غلام محمد صوفی گاندربل نے آپ کے گھر فون کیا تھا مگر آپ موجود نہ تھے۔ میری حالت اُس روز زیادہ خراب تھی اور میں اُٹھ نہ سکتا تھا۔ کہاں سے شروع کروں۔ مختصراً ۲۳ راپریل آپ کے گھر سے نکلتے ہی برابر ۲۸ راپریل تک سرینگر میں ہی رہا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ جوائنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن کشمیر مجھے دھوکہ دیتا جائے گا اس لئے مجھے واپس لداخ ڈیوٹی پر جانے کے لئے چارہ ہی نہ رہا۔ ہوائی ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے جموں جانا پڑا اور وہاں جب لداخ میں موسم کی خرابی کی وجہ سے جہاز نہ جاسکا تو وہاں بھی سات یوم رُکنا پڑا۔ لیہہ میں کچھ روز ٹھہرا اور ایک دن سفر کے بعد یہاں آیا۔ لیہہ کے موسم سے یہ علاقہ ڈیڑھ ماہ پیچھے ہے۔ وہاں بہار ہے یہاں ابھی بہار کی آمد ہے۔ کہیں کہیں جہاں درخت ہیں پر کونپلیں ۱۵ رجون تک پھوٹ پڑیں گی۔ راتوں کو ندی کا پانی جمتا ہے۔ ٹھنڈ تیز ہوائی جھکڑوں کا چلنا یہاں روز کا معمول ہے۔ لوگ کم مگر سرکاری کوارٹر مکانات اور پرائیویٹ مکانات زیادہ نظر آتے ہیں۔ ۲۵ کلومیٹر مربع لمبی چوڑی وادی نیوما میں داخل ہوتے ہی یہ خوش نما دُلہن کی طرح لگتی ہے۔ مگر اس دُلہن کی سیرت ٹھیک نہیں۔ یعنی سرد وخشک موسم، تین ماہ وسط جون سے وسط ستمبر تک خوشگوار موسم یعنی بہار گرما اور خزان

رہتا ہے۔ پھر نو مہینے سرد و خشک موسم سرما، دسمبر جنوری فروری میں مکان سے باہر گھنٹہ بھر ٹھہرنا موت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔

جیسا آپ جانتے ہیں کہ بچپن سے نازک مزاجی رہی۔ سکول اور کالج کی تعلیم کے دوران ہمارے تصّور میں نہ تھا کہ ہم دونوں علیٰحدہ علیٰحدہ مقامات پر نوکری کریں گے۔ آپ جموں اور سرینگر میں چھ چھ ماہ ڈیوٹی پر رہتے ہیں مگر راقم کو بیس برس ملازمت کے دوران ایک درجن تبادلے ہوئے۔ وادیٔ کشمیر کے اطراف واکناف میں۔ وادی کشمیر سچے معنوں میں جنت بے نظیر ہے۔ وہاں کے تمام موسم اپنی اپنی نوعیت سے نہ صرف دِل کو لبھانے والے بلکہ قدرت کی طرف سے عطا کردہ نعمت ہیں۔ وادیٔ گلپوش کی مٹی سونا اُگلتی ہے۔ درخت انمول خزانے ہیں۔ ہرے بھرے پہاڑ، دلکش نظارے، بھرنے، ہریالے میدان، لہلہاتے کھیت، قسم قسم پھلوں کے باغات، خوشنما پھولوں کی پارکیں اور معطر و معتدل آب وہوا دل کو تراوت بخشتے ہیں۔

لداخ کے موسمی حالات، رہن سہن، خورد و نوش، تمدنی سرگرمیاں، زبان اور دیگر معاملات کشمیر سے مختلف ہیں۔ مجھ نازک مزاج وحساس آدمی کے لئے یہاں مہینوں ٹھہرنا اور وہ بھی دُور افتادہ علاقے ننگے پہاڑوں سے گھیری وادیوں میں سرکاری فرائض انجام دیتے ہوئے بار بار بیمار پڑنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہاں سرکاری سہولیات میسر ہیں مگر سختیاں حد سے زیادہ، یہی وجہ ہے کہ پچھلے دو سال میں مختلف نوعیت کی بیماریوں کا یہ پانچواں حملہ ہے۔ حال ہی میں لیہہ میں کچھ روز ٹھہرنے کے بعد یہاں آیا مگر چوتھے روز حالت خراب ہوگئی۔ تب سے بستر ے میں ہوں۔ مجھ پر غشی طاری ہوئی تھی۔ شدید نزلہ زکام تیز بخار اور کپکپاہٹ کے علاوہ دن رات سر پر بھاری پن، غرض پورا جسم

متاثر تھا۔کل شام سے تفاوت ہوئی۔ ہسپتال کا عملہ،لداخی آفیسران اوراپنے ملازمین میرے کواٹر پر آتے رہتے ہیں۔اسی ماہ یہ لیکچرار کشمیر سے تبدیل ہوا اورفی الحال میرے پاس ٹھہرا ہے۔ یہی میری تیمارداری کرتا ہے۔ پانچ روز سے کواٹر سے باہر نہیں نکلا ہوں۔ باہر نکلتے ہی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے۔ڈاکٹر اب آگے کیا ہدایات دے گا معلوم نہیں۔ یہاں چیزوں کی کیمیابی، نایابی اور مہنگائی کا تذکرہ کروں خط لمبا ہو جائے گا وہ فقط اتنا کوئی جموں کا کشمیر کا یا اور کسی جگہ کا اس چنگ تھنگ علاقے میں سمجھو عذاب ہی عذاب ہے۔ حالات کے ساتھ سمجھوتہ کرنا ایک مجبوری ہے۔صبر سے کام لینا پڑتا ہے۔ یہ سرحدی علاقہ کی وجہ سے ممنوعہ ہے۔ چنگ تھنگ کا کچھ علاقہ دیمچوک سے لے کر چشول تک 1962ء چین جنگ میں ہڑپ کرلیا گیا۔ بُلندی پر پنگوگ جھیل کے تین حصے اس کے قبضے میں چلے گئے صرف ایک حصہ لداخ کا ہے۔دو برسوں کے دوران سرکاری دوروں میں چنگ تھنگ کا نصف سے زیادہ علاقے دیکھ چکا ہوں۔ سب ڈویژن چنگ تھنگ کا رقبہ کشمیر کے تین ضلعوں کے برابر ہے۔

لداخ تبدیل ہونے کے بعد ہل کونسل کے ماتحت رہنا پڑتا ہے اور تبدیلی کا معاملہ بھی یہی طے کرتے ہیں سمجھو جو اِدھر آ گیا اُسے چھوڑنا مُشکل ہے۔ میری سینیارٹی کا معاملہ کھٹائی میں ہے۔ سینیر تو میں ہوں اور اُس کے مطابق اگلے ایک سال میں ترقی ملنی چاہیے۔

گھر میں اہلیہ اور دونوں بچوں کو میرا سلام و پیام دینا۔ ملاقات دو تین ماہ بعد چھٹی پر آنے کے بعد ہوگی۔ انشاءاللہ

آپ کا دوست (حمیداللہ حمید)

حضرتِ اِنسان

از: ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ

جہاں میں دانش و بینش کی ہے کس درجہ ارزانی
کوئی شئے چھپ نہیں سکتی کہ یہ عالم ہے نورانی

کوئی دیکھے تو ہے باریک فطرت کا حجاب اِتنا
نمایاں ہیں فرشتوں کے تبسم ہائے پنہانی

یہ دُنیا دعوتِ دیدار ہے فرزندِ آدم کو
کہ ہر مستور کو بخشا گیا ہے ذوقِ عریانی

یہی فرزندِ آدم ہے کہ جس کے اشکِ خونیں سے
کیا ہے حضرتِ یزداں نے دریاؤں کو طوفانی

فلک کو کیا خبر یہ خاکداں کس کا نشیمن ہے
غرض انجم سے ہے کس کے شبستاں کی نگہبانی

اگر مقصودِ کل میں ہوں تو مجھ سے ماورا کیا ہے
مرے ہنگامہ ہائے نو بنو کی اِنتہا کیا ہے



درد بھرا فلمی نغمہ

زندگی کے سفر میں گذر جاتے ہیں جو مُقام
وہ پھر نہیں آتے، وہ پھر نہیں آتے

پھول کھِلتے ہیں لوگ ملتے ہیں
مگر پت جھڑ میں جو پھُول مُرجھا جاتے ہیں
وہ بہاروں کے آنے سے کھِلتے نہیں
وہ پھر نہیں آتے، وہ پھر نہیں آتے

کچھ لوگ جو روز بچھڑ جاتے ہیں
وہ ہزاروں کے آنے سے ملتے نہیں
عُمر بھر چاہے کوئی پُکارا کرے اُن کا نام
وہ پھر نہیں آتے وہ پھر نہیں آتے

آنکھ دھوکہ ہے کیا بھروسہ ہے
سُنو بھولا مشکل کوئی دوست کا دشمن ہے
اپنے دِل میں اِسے گھر بنانے لگو
کل تڑپنا پڑے لگے یاد میں جن کی وہ کل تو مُجھے جانے لگو
وہ پھر نہیں آتے، وہ پھر نہیں آتے

صبح آتی ہے رات جاتی ہے
یونہی وقت چلتا ہے رُکتا نہیں
ایک پل میں یہ راہیں آگے نکل جاتے ہیں
آدمی جسے پھر دیکھ پاتا نہیں اور پھر پردے سے منظر بدل جاتا ہے
ایک بار جو چلے جاتے ہیں وہ پھر نہیں آتے



غزل

مخدوم محی الدین

پھر چھڑی رات بات پھولوں کی
رات ہے یا برات پھولوں کی

پھول کے ہار، پھول کے گجرے
شام پھولوں کی، رات پھولوں کی

آپ کا ساتھ، ساتھ پھولوں کا
آپ کی بات، بات پھولوں کی

نظریں ملتی ہیں، جام ملتے ہیں
مل رہی ہے حیات پھولوں کی

کون دیتا ہے جان پھولوں پر
کون کرتا ہے بات پھولوں کی

وہ شرافت تو دل کے ساتھ گئی
لٹ گئی کائنات پھولوں کی

اب کسے ہے دماغِ تہمت عشق
کون سنتا ہے بات پھولوں کی

میرے دل میں سرور صبحِ بہار
تیری آنکھوں میں رات پھولوں کی

پھول کھلتے رہیں گے دنیا میں
روز نکلے گی بات پھولوں کی

یہ مہکتی ہوئی غزل مخدومؔ
جیسے صحرا میں رات پھولوں کی



غزل

شہریار

سینے میں جلن آنکھوں میں طوفان سا کیوں ہے
اس شہر میں ہر شخص پریشان سا کیوں ہے

دل ہے تو دھڑکنے کا بہانہ کوئی ڈھونڈے
پتھر کی طرح بے حس و بے جان سا کیوں ہے

تنہائی کی یہ کون سی منزل ہے رفیقو؟
تاحد نظر ایک بیابان سا کیوں ہے

ہم نے تو کئی بات نکالی نہیں غم کی
وہ زود پشیمان، پشیمان سا کیوں ہے

کیا کوئی نئی بات نظر آئی ہے ہم میں
آئینہ ہمیں دیکھ کے حیران سا کیوں ہے



غزل

حسرتؔ شملوی

ہیں دل کے لئے آزار بہت
آلام بہت افکار بہت

کچھ کثرت پر موقوف نہیں
چبھنے کے لئے اک خار بہت

چھیڑے نہ کوئی بے دردی سے
نازک ہیں نفس کے تار بہت

دیوانہ کسی کا کہلائیں
اس فکر میں ہیں بیمار بہت

اس طول عمل سے کیا حاصل
بس دیکھ لیا سرکار بہت

اب تک نہ ہوا ہم سے حسرتؔ
جو کام نہ تھا دشوار بہت



غزل

ازغلام نبی ظہورؔ

یہ اُلفت کا ترانہ سامنے میرا کلام آیا
بدل کر رنگ میں وہ مُجھے اپنا پیام آیا

نوائے سحرگاہی سے جو ویا ہوگیا عالم
صُبح کو ساتھ دیکھا تو یہی تھا جبکہ شام آیا

عشق جو پوچھا گیا ہے ہر طرف سے خوش نصیبوں کو
صیّادِ حُسن جب اُن کے لئے لے کر یہ دام آیا

یہ کہاں رُتبہ تو حاصل ہوگیا تھا ان فرشتوں میں
فخر آدم کو ویسے ہے جو اتنا اپنے کام آیا

زمین و آسمان سارا کیا خورشید نے روشن
رشک سے اُس کے پیچھے دوڑتا ماہِ تمام آیا

مکان کو تب شرف بخشا یکن نے اپنی عظمت سے
نظامِ زندگی کا ٹھیک کرتا اہتمام آیا

عشق کے فتنے سے پردے ہوئے ہیں چاک اب سارے
غرورِ حُسن کا افسانہ سُن کر خاص و عام آیا

ادا کے ساتھ کیسی مُسکراہٹ آئی پھولوں کو
اِسی گلشن میں شبنم بھی کرتے جب سلام آیا

اسی راہ میں مِل کر پھر الگ کیسے تو جائے گا
وہ اپنے پاس ہی رہتا ہے جو ہاتھ ایسا مقام آیا

تماشے پر محفل کی وہاں کیا فرق پڑ جائے
جہاں اِس طرح میخانے سے زاہد پی کے جام آیا

قلم لکھتا گیا پیغام ویسے جگر سوزی میں
ظہور کی پہچان ہو لیکن غلام نبی نام آیا



معروف فلمی اداکار وجے آنند سے لیا گیا انٹرویو

(ہفت روزہ خبر ونظر سرینگر میں ۲۴ نومبر ۲۰۰۲ء شمارے میں چھپا)

سندھو درشن اپنی نوعیت کا منفرد اور انوکھا میلہ ہوتا ہے۔ پچھلے کئی برس سے یہ لداخ میں نہایت جوش وخروش کے ساتھ منایا جاتا ہے۔ ملک بھر میں اس کی اہمیت بڑھ چکی ہے۔ اس سال یکم جون سے چار جون لیہہ میں یہ میلہ منایا گیا جس میں ملک کے اطراف واکناف سے آئے ہوئے تقریباً بیس ہزار لوگ جمع تھے۔ ان لوگوں میں عظیم سیاسی شخصیات، مذہبی لیڈر اور سرکاری حکام کے علاوہ مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے اصحاب شامل تھے۔ ان ہی میں فلمی دُنیا کے جانے پہچانے شخص وجے آنند صاحب بھی موجود تھے۔

شری وجے آنند کو بھی اس موقعہ پر خطاب کرنے کی دعوت دی گئی۔ پندرہ منٹ کے بھاشن میں انہوں نے لداخ کو مزید ترقی دینے اور دوسرا سوئزرلینڈ بنانے پر زور دیا۔ چونکہ وہ کافی مصروف تھے اور میں بھی ذمہ داریوں میں بٹا تھا۔ پھر بھی میں نے اُن سے علیک وسلیک وتعارف کے بعد انٹرویو کے لئے وقت مانگا۔ ۴ر جون کی صبح کو اُنہیں اپنی دھرم پتنی کے ساتھ واپس بذریعہ طیارہ دہلی روانہ ہوتا تھا۔ اس لئے ۳ر جون کی شام کو پونے گھنٹے میں انٹرویو لیا گیا۔

سوال: شری وجے آنند صاحب! جب سے میں لداخ آیا فلم حقیقت بار بار دیکھنے کی طرف توجہ ہوگئی جو لڑکپن میں کئی بار دیکھ چکا ہوں۔ اب تک یہاں کئی بار ویڈیو پر دیکھ چکا ہوں اور اس دوران خواہش ہوئی کی حقیقت کے

کسی کردار سے ملاقات ہو جائے۔ مسرت ہوئی جب آپ سے پہلی ملاقات ہوئی؟

جواب: (مسکراتے ہوئے) شکریہ۔ مجھے بھی خوشی ہو رہی ہے کہ آپ کو فلم حقیقت سے بے حد انٹرسٹ ہے جو لداخ کے ان ہی سنگلاخ چٹانوں اور ریگستانوں میں ۳۷/سال قبل فلمائی گئی ہے۔

(س) اس فلم کے نام تاریخی پس منظر اور دیگر معاملات کے متعلق روشنی ڈالیں؟

(ج) دیکھئے حمید صاحب! اس فلم کے پروڈیوسر میرے بڑے بھائی صاحب چیتن آنند تھے۔ جنہیں کافی محنت کرنا پڑی اور مُشکلات اُٹھانے پڑے۔ اس وقت لداخ کافی پیچھے تھا۔ تب اور آج کے لداخ میں بہت فرق ہے۔ سہولیات نہ تھیں۔ کوئی سسٹم موجود نہ تھا۔ ایک جہاز سرینگر سے کھانا لاتا تھا۔ معمولی ہوائی اڈہ جس کے لئے لوہے کی پٹری امریکہ نے بنوائی۔ پہلا جہاز یہاں امریکہ ہی نے اُتارا ہے۔ یہ اڈہ سواریوں کے لئے نہیں بلکہ آرمی کا تھا۔ چین نے ہندوستان پر حملہ کیا اور لداخ کا بہت حصہ ہڑپ کر گیا۔ جس جنگ میں بہادر جوانوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا وہیں انہیں طوفان سے کھیلنا پڑا۔ اسی سے متاثر ہو کر چیتن صاحب فلم بنانے میں دلچسپی لینے لگے۔ انہیں وزیر اعظم پنڈت نہرو صاحب سے رابطہ قائم کرنا پڑا جنہوں نے ڈیفنس منسٹری کو لکھا۔ پھر منسٹری نے اجازت دی۔ انتظام کیا گیا۔ ممبئی کے آس پاس ایکٹروں کو فوجی ٹریننگ دی گئی۔ کہانی کو تب ہی لکھا گیا جب سارا میٹریل اور انفارمیشن حاصل ہوئی۔ جو سولجرس مر گئے تھے اُن کے خاندان والوں سے رابطہ کیا گیا۔ واقعات سُننے پڑے۔ ہندوستان کے مختلف جگہوں پر اُن فوجی

افسران اور جوانوں سے ملنا پڑا جنہوں نے لداخ میں کام کیا تھا اس جنگ کے دوران۔ پھر کام شروع ہوا۔

(س) اس فلم میں کتنے ایکٹروں نے کام کیا جن کو تربیت دی گئی اور کس طرح اس بارے میں وضاحت فرمائیں۔

(ج) چالیس ایکٹر جن کو تین ہفتے تک تربیت دی گئی اس کے بعد ہماری ٹیم سرینگر آئی پھر سونہ مرگ۔ دراس، کرگل اور لیہہ میں ٹھہرے رہے۔ دو ماہ تک اس فلم کو شوٹنگ ہوتی رہی۔ کھرڈ نگلا نو برا بھی ہم پہنچے۔

(س) اس فلم میں جنگی واقعات کے علاوہ ایسے سین فلمائے گئے ہیں جو گھریلو معاملات لداخی، لڑکی کا رومانس اور کالی دیوالی منانا۔ اس بارے میں وضاحت فرمائیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟

(ج) جہاں تک چینی فوج اور بھارتی فوج کی جنگ کے واقعات کا تعلق ہے وہ سو فیصد سچ ہیں۔ اسی لئے اس فلم کو ''حقیقت'' کا نام دیا گیا۔ البتہ دھرمیندر جو فلم کا ہیرو ہے کا لداخی لڑکی کے ساتھ محبت کے جو سین فلمائے گئے ہیں وہ واقعات صحیح نہیں ہے۔ البتہ فوجی آفیسروں کے گھریلو معاملات، کالی دیوالی وغیرہ سو فیصد سچ پر مبنی ہے۔ یہ تاریخ میں پہلی بار ہوا ہے کہ اُس سال پورے ہندوستان میں دیوالی کا تہوار نہیں منایا گیا کیونکہ لداخ میں اُن کے بھائی بندوں کا کچھ علم نہیں تھا کہ وہ کن پہاڑوں پر چین کے ساتھ مقابلہ کر رہے ہیں، کئی شہید ہوئے تھے۔ وہ گھر کیا دیوالی مناتے جن کے سربراہ موت وحیات کی کشمکش میں دیش کے سرحد پر لڑ رہے تھے۔ اجتماعی طور دیوالی نہیں ''کال دیوالی'' منائی گئی۔ اُن دیش کی حفاظت پر مر مٹنے والوں کا ساتھ نبھانا جو مشکلات اُٹھا رہے تھے۔

(س) آنند صاحب! فلم میں ''مستی میں چھیڑ کے ترانہ کوئی دل کا'' جو گیت آپ پر فلمایا گیا اور آپ کا کردار وہ اصلی واقعہ سے کتنا مطابقت رکھتا ہے؟

(ج) حمید صاحب! پہلے ہی بتا چکا ہوں ہم مُلک کے ایسے فوجی افسران اور جوانوں کے گھر گئے جنہوں نے لداخ میں لڑا تھا لہٰذا شوٹنگ کے وقت اسی طرح واقعات فلمائے گئے۔ بھائی صاحب (چیتن آنند) ملاوٹ کے حق میں نہیں تھے۔

(س) بلراج ساہنی کا فلم حقیقت میں کافی کام ہے؟ اس کے رول نے بھی فلم میں کافی نکھار لایا ہے؟

(ج) ہاں آنجہانی ساہنی صاحب کا اچھا کام ہے اور اس کے علاوہ جو ایکٹر کام کرتے ہیں وہ بھی محنت سے کام کرتے رہے۔

(س) اپنے خاندان کے متعلق خاص کر فلم حقیقت کے پروڈیوسر بھائی صاحب چیتن آنند کے متعلق کچھ فرمائے۔

(ج) چیتن آنند صاحب میرے سے ۲۰ سال بڑے تھے۔ وہ پانچ سال قبل فوت ہو گئے۔ فلم حقیقت فلمانے کے وقت میری عمر ۲۵ سال سے زیادہ تھی۔ جہاں تک پتاجی کا تعلق ہے ان کو میں جانتا نہیں۔ میں چھوٹا تھا۔ میرے پتا گورداس پور کے تھے اور ماں لاہور کی ۱۹۱۱ء میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ ہم چار بھائی چیتن آنند، دیو آنند، من موہن آنند اور میں ہوں۔ اس کے علاوہ دو بہنیں ہیں میرے بڑے صاحب (چیتن آنند) والد صاحب کے قریب رہ چکے ہیں۔ پتاجی وکالت کرتے تھے۔ دیش بھگت تھے۔ گاندھی جی نے کہا تھا کہ من موہن (میرے پتا) پنجاب کے پہلے ستیہ گرہی ہیں وہ

مانے ہوئے انٹی برٹش ایکٹوسٹ Anti British Activistis کے تحت انگریزوں نے اُن کے لئے پھانسی کی سزا سنائی۔ After that they could not do that at last stage آخری وقت پر برٹش راج نے خود ہی اُن کو معافی دے دی۔ یہ معاملہ خود ختم کردیا۔

(س) وجے صاحب! آزادی کی جنگ میں آپ کے والد صاحب کا جو کردار رہا ہے اُس کو آپ نے ابھی تک فلمایا نہیں ہے۔ شاید مگر ۱۹۶۲ء کی ہند چین جنگ کو فلمانے کا مقصد کیا تھا؟

(ج) مسکراتے ہوئے) صرف یہی کہ اصلیت اور سچائی کے متعلق دیش والوں کو باخبر کرنا۔

(س) گھر کے متعلق کچھ اور واقفیت کرائے۔

(ج) جو میرے ساتھ یہ دیکھ رہے ہیں برسوں سے یہ میری رفیقہ حیات ہے اور ایک لڑکا ہے ممبئ میں۔

(س) یہ بھی فلموں میں کام کرتی ہیں۔

(ج) نہیں۔ یہ بی اے پاس ہے۔ گھریلو دھرم پتنی کا رول نبھا رہی ہے۔ میرا لڑکا بی اس سی کرتا ہے۔

(س) آپ نے اور کن کن فلموں میں کام کیا ہے؟

(ج) گائیڈ۔ تیرے گھر کے سامنے۔ نو دو گیارہ۔

(س) لداخ کے متعلق آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

(ج) عزیز! دنیا میں کشمیر ایسی چھوٹی سی جگہ ہے جو جنت کہلاتی ہے۔ لداخ بھی ریاست جموں و کشمیر کا حصہ ہے۔ جس کو نگلیکٹ (Neglect) کیا گیا ہے۔ رقبہ کے لحاظ سے بڑا ہے۔

آپ نے دیکھے ہوں گے ہزاروں پہاڑ اُدھر بھی جہاں گذر بسر کر رہے ہیں نوما اور چنگ تھنگ میں۔ دیکھئے کتنی خوبصورت وادیاں اور رنگ برنگ کے پہاڑ ہیں۔ کہیں سبز، کہیں لال، کہیں نوکیلے، کہیں چمکیلے، ہر جگہ خوبصورت اور رنگ بدلتے پہاڑ ہیں۔ مگر حکومت کا احساس نہیں۔ لداخ دوسرا سوئزرلینڈ بن سکتا ہے۔ اگر حکومت Chair Lift ہوٹلوں اور دیگر پروجیکٹس کو ہاتھ میں لے۔ دیکھئے فارنرس غیر ملکی آتے ہیں۔ یہاں بھی فیکٹریاں بن سکتی ہیں جگہ بہت ہے دیکھئے ناشئے جہاں سندھو درشن کا میلہ چالو ہے کے آس پاس کتنی بہتر زمین خالی پڑی ہے۔ ٹورسٹوں کے لئے بڑی ہوٹل، پارک بن سکتی ہے۔ مگر ریاستی سرکار اور سنٹرل گورنمنٹ دونوں کو پروگرام مرتب کرنا چاہیے۔ جب راجستھان کے ریگستانوں میں پروجیکٹ بن گئے کیا لداخ میں تو ایسا نہیں ہوسکتا بھائی۔ اسرائیل Desert ہے وہ کیسے کافی ترقی یافتہ ہے؟ لداخ میں تو اسرائیل اور راجستھان سے کہیں زیادہ پانی کے وسائل ہیں۔ ونٹر سپورٹس Winter Sports کیبل کار پروجیکٹ اور دیگر سکیموں کو چالو کر کے یہاں آمدنی کے ذرائع بڑھ سکتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے کہا کہ نوما بلاک ابرق، لوہے، ہرے اور سفید چمکیلے پہاڑ، کیا ان پہاڑوں کو کارآمد نہیں کیا جاسکتا؟

باقی افسوس تو مجھے ہوا جب سندھو درشن پر لوگوں کو دھوپ میں پیدل چلتے دیکھا۔ گاڑیوں کا انتظام نہ تھا۔ اتنے بڑے فنکشن پر بسوں کا انتظام نہ تھا۔ یہاں ڈیزل کی کمی جون کے مہینے میں ہے اور اب بھی گاڑیوں سے جو دھواں نکلتا ہے ٹھیک نہیں۔ ٹریفک بھی بڑھ چکا ہے۔

والنٹیر لی Voluntarily جو لداخی لوگوں نے پالی تھین لفافوں پر

پابندی لگا کر عملی شروعات کی ہیں اچھا قدم ہے۔اب لداخیوں میں کافی تبدیلی آئی ہے۔تعلیم میں بھی آگے نکل رہے ہیں۔انہیں اپنی اہمیت کا احساس ہو چکا ہے۔مجھے لداخیوں کے ساتھ کافی پریم ہے۔

(س) وجے صاحب! چنگ تھنگ علاقہ سرحدی علاقہ ہے سرد ترین دوبلاکوں نوما اور دُربک پر مشتمل یہ علاقہ Rerate بھی ہے۔معیشت بھیڑ بکری ہے۔ Very hard life مگر تعلیمی لحاظ سے ابھی پیچھے۔ BADP کے تحت مرکزی حکومت نے سڑکوں، پروجیکٹ کا کام چلایا ہے نوما جو کہ خوبصورتی کی وادی ہے دُنیا میں ہائی altitude پر پہلا بلاک ہیڈ کوارٹر آتا ہے۔سطح سمندر سے ساڑھے چودہ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع نوما کی وادی اپنی دلکشی رکھتی ہے۔آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ تشریف لائیں اور خود مشاہدہ کریں۔

(ج) حمید صاحب! آپ کا شکریہ۔ہوائی ٹکٹ لائی ہے۔کل صبح جاتا ہے۔اگر بھگوان نے چاہا ضرور آؤں گا۔باقی آپ خط لکھتے رہنا اور جیسی کہ آپ کے دل میں تڑپ ہے کرنوما اور آس پاس کے علاقہ پر فلم بنائی جائے۔واقعات لکھئے اور تیاری کیجئے۔آگے دیکھیں گے۔

ماخوذ ہفت روزہ خبر و نظر سرینگر



مہاتما گوتم بُدھ کی شخصیت اور تعلیم کا اثر

(بودھ پورنیما پر حمید اللہ حمید کا خطاب)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ۵۶۰ سال پیدا ہونے والے مہاتما گوتم بُدھ کے پیروکار دُنیا میں اوّل نمبر پر ہیں۔ اور عیسائیوں کی تعداد دوسرے نمبر پر ہے۔ گوتم بدھ نے اگرچہ ۷۷ سال کی عمر پائی مگر ساری عمر گیان دھیان میں لگے رہے۔ عام لوگوں کو سُدھارنے اور خدمات کے لئے وہ کوشاں رہے۔ ان کا اصلی نام سدہارتھ گوتم تھا۔ کپل وستو میں پیدا ہونے والی اس مہان شخصیت کو قدرت نے دُنیا کی بھلائی کے لئے وہ جاگرتی دے دی کہ ان کی تعلیم اور سیرت کا ہندوستان، منگولیا، چین اور دوسرے ممالک میں چرچا ہے۔ آج جون کے ایام میں ان کے 25556 ویں جنم دن (ٹھنگ یک) تقریبات (کالُپ) منائی جارہی ہیں۔

لداخ میں گہما گہمی کا زیادہ ہی ماحول ہے۔ آٹھ روز سے گھمپاؤں میں کرپوچھوگت اور نیونے (خاص قسم کی پوجا) لاما کرتے ہیں۔ اس قسم کی پُوجا کا مقصد دُنیا میں شانتی، امن سلامتی کا ماحول قائم بنائے رہے۔ خاص کر لداخ میں کوئی مشکلات نہ ہوں۔ لاما لوگ ان ایام میں کم کھاتے پیتے ہیں اور کچھ لاما فاقہ کرتے ہیں۔ پانی تک نہیں پیتے۔ گھمپاؤں میں رکھی کنگیور کتابوں کی تعلیم رہتی ہے۔ تعلیم کے ساتھ میوزک رہتا ہے۔ بیچ بیچ میں ڈرمب (لانا) پر (تلچک) لگا کر دور دور تک آواز گونجتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی (گیالنگ

ایک لمبی قسم کی سُرنے سے ساز کی آواز نکالتے ہیں۔لداخیوں کا کہنا ہے کہ جب مہاتما گوتم بدھ وفات (کوشکس) کر گئے۔تب سے یہ ڈھول بجانا اور سُرنے سے آواز لگانے کی پوجا شروع ہوئی۔

ایک ہیڈ لامانے بتایا کہ مہاتما گوتم بدھ کو اسی روز گیان حاصل ہوا جس روز پیدا ہوئے تھے اور اسی روز ان کا دہانت ہوگیا۔یہ ایک کرشمہ ہے۔ قدرت کا بچپن سے پارسا، سیدھے سادے اور سوچ وبچار میں مگن رہنے والے اس مہاتما نے دُنیاوی یعنی مادی زندگی کو لات ماری۔انہوں نے دُنیا کے لوگوں کو اچھائی کی طرف راغب کرنے، ان کی بُری زندگیوں کو سنوارنے اور اُن کو دُکھ سُکھ میں کام آنے کو ہی اپنا دھرم سمجھا۔لوگوں کے درد سہلانے والے اس عظیم شخصیت نے سچائی، امن اور پریم کی راہیں دکھائیں نہ تو یہ لالچی تھے اور نہ ہی بُرے کاموں کی طرف دِل لگتا تھا۔وہ سچائی اور سُکھ پانے کے لئے گیا (پٹنہ) میں درخت کے نیچے سالہا سال تک ٹھہرے رہے۔اپنے آپ میں ڈوب جاؤ جس کو بودھ دھرم کے پیروکار احتساب Meditation کہتے ہیں کا سبق مہاتما گوتم بدھ نے دیا۔دُنیا میں سچائی، انسانیت اور صفائی جاگ اُٹھتی ہے باہری دُنیا میں جھوٹ، ناانصافی، دھوکہ دہی اور فخر وغرور کے علامات پیدا ہوتے ہیں۔اس لئے بودھی دھرم میں Meditation کی طرف دھیان دینے پر زور دیا جاتا ہے۔اس طرح آدمی امن اور اہنسا کا پجاری بن جاتا ہے۔اس میں کسی دھرم، فرہق یا آدمی کی حیثیت نہیں رہتی ہے۔یہ انسانیت بن جاتی ہے۔یہ احتساب مہاتما گوتم بدھ کا سکھایا ہوا راستہ ہے۔ مہاتما گوتم بدھ اس مذہب کے بانی بن گئے۔اس مذہب میں اگرچہ رسومات کی بھرمار ہے۔پھر بھی امن واہنسا میں جینے والے اس مذہب کے پیروکار

چوریوں، ڈاکہ زنی، دھوکہ دہی، قتل وغارت گری اور فریب کاریوں سے کافی دور رہتے ہیں۔ ان کے رسومات، طور طریقے اور معاملات اگرچہ دیگر مذاہب سے جُدا گانہ اور نرالے مشقت کے ہیں مگر ہنستے کھیلتے اور ناچتے گاتے یہ زندگی گزار رہے ہیں۔

مہاتما گوتم بُدھ کی ہی تعلیم کا اثر ہے کہ بچپن سے ہی ہر لداخی گھرانے سے یا تو لڑکا یا لڑکی بودھ دھرم کی تعلیم سیکھنے کے لئے دھان (وقف) کیا جاتا ہے۔ اِس قسم کے سکول لداخ میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں جہاں اُن کو دُنیاوی معاملات سے الگ تھلگ رکھا جاتا ہے۔ ان ہی سکولوں میں ان کو کھانے پینے اور رہائشی سہولیات ملتی ہیں یہی تو (چھوٹے لڑکے) لاما اور نمو (چھوٹی لڑکیاں) چُمو بن کر گھمپاؤں میں ٹھہرتی ہیں۔ ان کو عمر بھر شادیاں نہیں کرنی ہوتی ہیں۔ لباس عام لوگوں سے جُدا گانہ ہوتا ہے اور بال مونڈنے پڑتے ہیں۔ گھمپاؤں کے قوانین کے ضابطے کے تحت بسر کرنا پڑتا ہے۔ پھر بھی ان لاماؤں اور چمپاؤں کو اتنی عزت اور قدر ہوتی ہے جو کہ دوسروں کو نہیں۔ مہاتما گوتم بدھ کی تعلیم پر عمل کرنے میں کوتاہی برتنے پر اکثر بودھوں کو ڈر لگا رہتا ہے۔

یہ تو مانی ہوئی حقیقت ہے کہ مطمئن رہنے سے آدمی کو سُکھ حاصل ہوتا ہے۔ گوتم نے یہی بتایا کہ انسانوں کی خدمت کرنا اور وہ بھی بے لوث انسانیت کی معراج ہے۔ گوتم بُدھ نے ڈھائی ہزار سال پہلے یہی کہا کہ نفرت کو محبت سے کم کرو کیونکہ نفرت تو نفرت سے کبھی کم نہیں ہوتی۔ یہ بات اور اُدھر نظر ڈالیں کہ پیغمبر آخر الزمان محسن انسانیت اور بانی اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم حاصل کرو اگرچہ چین بھی جانا پڑے۔ کہاں عرب

اور کہاں چین۔ آج سے ایک ہزار چار سو سال پہلے سفر کی اتنی سہولیات نہ تھیں۔ انہوں نے چین کا نام دو وجہوں سے لیا ہوگا کہ علم کے لئے دور بھی جانا پڑے جاؤ۔ دوسرا اُن دنوں چین میں کافی تعلیمی اور کارگری عروج تھی۔ ہندوستان سے کہیں زیادہ چین اور منگولیا میں بودھ مت عروج پر تھا۔ مہاتما گوتم بدھ آپ ﷺ سے ایک ہزار ایک سو سال پہلے بودھ دھرم کو پھیلا رہے تھے۔ اہنسا، انسانیت اور رواداری کی تعلیم میں جٹے تھے، نے کہا کہ لگن سے علم حاصل کرو لگن کی کمی سے علم کھو جاتا ہے۔ اور یہی فرمایا حضرت محمدؐ نے۔ ''علم پڑھنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے''۔

دُنیا میں سب پیغمبروں سے شان والے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں ان کے متعلق مہاتما گوتم بُدھ نے یہ پیش گوئی کی تھی کہ عرب میں محمد نام شخص کا ایسا پیدا ہوگا جو دُنیا کو جہالت سے نکالے گا اور عرب میں انقلاب پیدا ہوگا۔ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ گوتم بدھ میں ایسی جاگرتی تھی کہ ایک ہزار سال پہلے اس کو یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر آخرازمان حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سچے دین اسلام کا جھنڈا دُنیا میں گاڑھ دے گا۔ عرب میں قتل و غارت گری، قبیلوں کے درمیان چلے آرہے سالہا سال کے جھگڑے، جہالت، بُت پرستی اور انسانیت سوز سلوک حتیٰ کہ لڑکیوں کے پیدا ہوتے ہی ان کو زندہ دفن کرنا، کے رسومات اسی محسن انسانیت حضرت محمد رسول اللہ نے ختم کر ڈالا۔

مہاتما گوتم بدھ کی تعلیم اہنسا، رواداری، انسانیت، امن اور بھائی چارہ کے علاوہ لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرتا ہے۔ آج اس کے پیروکار لداخ میں بھی ہیں اور یہ بُلند پہاڑیوں اور ٹھنڈی صحرائی والا خطہ دنیا سے الگ تھلگ ہے۔ پتھروں پر گند ہزاروں سال بُدھمت کی تعلیم اوم مانے پدمے ہونگ کا

مطلب ہے کہ اس کو یاد کرو اور عمل کرو۔ مثال ہے گویا پتھر کی لکیر یا پتھر پر لکیر۔ یعنی پتھر پہ لکھا ہوا مٹ نہیں سکتا۔ جگہ جگہ مانے دیواروں، لاتوں اور گھمپاؤں کے اندر و باہر جو پتھر جیسے کتابوں کے ورق لگتے ہیں پر بودھی زبان اور تبتی زبان میں تعلیم کندہ ہے۔ ہندوستان میں بے شمار راجے اور بادشاہ گذرے مگر۔ دی اشوک گریٹ اور دی اکبر گریٹ ہی زیادہ مقبول ہیں۔ مہاراجہ اشوک کی حکومت ہندوستان سے لے کر افغانستان اور ایران تک تھی۔ کالنگہ کی خونریزی نے اُن کے دِل کو متاثر کیا اور وہ بُد دل ہو کر بدھ مذہب کی پیروی میں الگ گئے ان کے ہی دور میں جگہ جگہ پتھر کی لاٹوں اور چٹانوں پر یہ بودھی تعلیم کُند کی گئی ہے۔

کشمیر میں ہزار ڈیڑھ ہزار برس پہلے بدھ دھرم کا بول بالا تھا۔ راجہ کنشک نے اِدھر ہی چوتھی بودھی کانفرنس منعقد کرائی۔ تاریخی کتابوں میں لکھا ہے کہ کشمیر میں مہاتما گوتم بدھ کا جنم دن (بُدھ پورنیما) بیساکھ کے مہینے میں منایا جاتا تھا۔ بودھ دھرم نے کشمیر میں شرافت اور امن پسندی چھوڑی۔ ہندو دھرم کے پیروکاروں کی سبقت کی وجہ سے یہ دھرم پندرہویں صدی تک ہی قائم و دائم رہا۔ بود بھکشو یہاں زیادہ نہ ٹھہرے۔ پھر کشمیر میں اسلام کے بول بالا کی وجہ سے ہندو دھرم کا اثر نہ رہا اور مسلم حکمرانوں کی وجہ سے اسلام کو بھی آبیاری ہوتی رہی۔ رنچن راجہ جو بودھی دھرم کا پیروکار تھا تبت سے بھاگ کر اگرچہ کشمیر میں راجہ بنا مگر اُس نے بھی اسلام قبول کیا۔ قدیم زمانے کے بودھ وہار، مٹھ پتھروں کے کچھ مندر آج بھی کشمیر میں ملتے ہیں۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

برصغیر کے عظیم شاعر حضرت ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ نے یہ کیا خوب کہا ہے۔ یہ

بات صحیح ہے کہ کوئی بھی مذہب آپس میں بیر رکھنا نہیں سکھاتا بلکہ دوسرے مذاہب کی عزت وتوقیر سکھاتا ہے۔ جو سچے معنوں میں اپنے مذہب کا پیروکار ہو چاہے بودھ، سکھ، ہندو، مسلمان یا عیسائی وہ کسی بھی دوسرے مذہب کی قدر ہی کرے گا۔ کسی دوسرے مذہب کی حقارت کرنا سب سے بڑا اپنُے (پاپ) ہے۔

آج تک لداخ میں جو امن، شانتی اور آپسی بھائی چارے کا ماحول ہے اس ماحول کو آگے بنائے رکھا یہاں کے لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ ایمانداری کے ساتھ جینا خدمت خلق اور انسانیت کے لئے کام کرنا ہی دھرم ہونا چاہیے۔ دریں اثناء دوسرے مذہب کے جو بھی پیروکار لداخ آتے ہیں۔ اُن کی بات اُسی طرح سُننی چاہیے جس طرح وہ بودھ مذہب کے متعلق اطمینان سے سُنتے ہیں۔ اگر لداخی لوگ ہزاروں سے چلی آرہی اس پریم پرا، دیانتداری اور سادگی پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے تو لگے کہ یہاں مہاتما گوتم بدھ کی تعلیم برابر عمل جاری ہے۔

نوٹ: یہ مضمون راقم کو پڑھنے کی آفر ہوئی جب صبح سویرے یہ تحریر کیا چند الٹ یوں اُلٹ پھیر کے حافظے میں رکھا بعد دوپہر بودھ پورنیما تقریب نیوما پر پڑھا مضمون لیزانگ لتزن ہمسایہ دوست کی شہد تیار کیا۔ بڑے لاما اور حاضر آفسروں نے خوب پزیرائی کی۔

□□□

Money Makes The World Go Round

We don't have any poverty here .....
(Tsewang Paljor, 1975)
If you could only help us Ladakhis, we're so poor..... TsewangPaljor, 1983

In the traditional culture, villagers provided for t heir basic needs without money. They had developed skills that enabled them to grow barley at 12,000 feet and to manage yaks and other animals at even wegher elevations. People knew how to build houses with their own hands from the materials of the immediate surroundings. The only thing they actually needed from outside the region was salt, for which the traded. They used money in only a limited way, mainly for Luxuries.

Now, suddenly, as part of the international money economy, Ladakhis find themselves ever more dependent – even for vital needs on a system that is controlled by faraway forces. They are unbearable to decisions made by people who do not even know that Ladakhi exists. If the value of the dollar changes, it will ultimately

have an effect on the India n rupee. This means that Ladakhis who need money to survive are now under the control of the managers of international finance. Living off the land, they had been their own maters.

At first, people were not aware of the fact that the new economy creates dependence, money appeared to be only an advantage.. Since it traditionally had been a good thing, bringing luxuries from far away, more of it seemed to be an unconditional improvement. Now you can buy all sorts of exotic things that you could not before, like t here-minute noodles and digital watches.

As people find themselves dependent on a very different economic system for all their needs and vulnerable to the vagaries of inflation, it is not strange that they should become preoccupied with money. For two thousand years in Ladakh, a kilo of barley has been a kilo of barley, but now you cannot be sure of its value. If you have ten rupees today, it can buy two kilos of barley, but how do you known how much it will buy tomorrow? "It is terrible", Ladakhi friends would say to me, "everyone is getting so greedy. Money was never important before, but now it's all people can think about".

Traditionally, people were conscious of the

limits of resources and of their personal responsibilities. I have heard older people say: "What on earth is going to happen if we start dividing the land and increasing in numbers? It can never work". But the new economy cuts people off from the earth. Paid work is the city, where you cannot see the water and soil on which your life depends. In the village you can see with the naked eye how many mouths the land can support. A given area can only produce so much, so you know that it I important to keep the population stable. Not so in the city; there it is just a questions of how much money you have, and the birth rate is no longer significant. More money will buy more food. And it can grow much faster than wheat or barley, which are dependent on nature with her own laws, rhythms, and limits. Money does not seem to have any limits; an advertisement for the local Jammu-Kashmir Bank says, "Your money grows quickly with us".

For centuries, people worked as equals and friends – helping one another by turn. Now that there is paid labor during the harvest, the person receiving wants to have as much as possible. Relationships change. The money becomes a wedge between people, pushing them further and further apart.

The house had a festive atmosphere whenever Tsering and Sonam Dolma's friend came to work with them as part of the traditional Ihangsde practice. Sonam used to cook special food for the occasion. But in the last couple of years, the practice has gradually disappeared and their farm near Leh is increasingly dependent on paid labor. Sonam complains bitterly about rising prices and resents having to pay high wages. The festive atmosphere of friends working together has gone; these laborers are strangers, sometimes Nepalis or Indians from the plains who have no common language.

The changing economy makes it difficult to remain a farmer. Previously, with cooperative labor between people, farmers had no need for money. Now, unable to pay larger and larger wages for farm hands, some are forced to abandon the villages to earn money in the city. For those who stay, the pressure increases to grow food for profit, instead of food for themselves. Cash cropping becomes the norm as farmers are pushed by the forces of development to become dependent on the market economy.

The new economy also increases the gap between rich and poor. In the traditional economy there differences in wealth, but its accumulation had natural limits. You could only

care for so many yaks or store so many kilos of barley. Money, on the other hands, is easily stored in the bank, and the rich get richer and the poor get proper.

I knew a man named Lobzang who had an antique shop in Leh. Like many Ladakhi shopkeepers, he had given up farming and come to Leh to make money, but his wife and children still lived in the village. He wanted the best for his children, and as soon as he could afford the housing, he planned to bring them to town to get the benefits of an education and, in particular, to learn English.

I had just dropped into his shop to say hello hen an old man from Lobzang's village came in to sell his butter jars. It was a fully day's journey on foot and by bus from the village. The old man probably planned to spend a couple of days with relatives in Leh, buying supplies to take back to the village with the money from the butter jars. He looked dignified in his traditional burgundy woolen robes. He put two jars on the counter. They had the warm patina that comes from generations of constant handling. They were made of fine-grained apricot wood and had a simple elegance that would certainly appeal to tourists. "They're lovely", I said. "What will you keep your butter in without them?" "We keep it

in used milk tins", he said.

They argued about the price. Apparently a few weeks earlier, Lobzang had promised him a much higher price than he was willing to offer now. He pointed to some cracks in the jars and refused to raise his offer. I knew he would get ten times as much when he sold the jars to the tourists the old men threw me imploring look, but what could I say, he left the shop with a disappointed stoop to his shoulders and enough money to by a few kilos of Sugar.

You should not have siad day where lovely "Lobzang Scolded me I have to give him more"

But he is from own village. Do you have to bargain so hard with him. "I hated but I have to besides, a stranger would have give him evenless".

(Ancient Futures-Learning from Ladakh oxford university Mubai-1999)

11th IALS COLLOQUIUM

Leh-Choglamsar (21-25 July 203)

The 11th IALS colloquium took place from 21-25 July in Leh and Choglamsar, and was co-hosted by the Jammu and Kashmir Academy of Art, Culture and Languages. The conference was a notable success, and we are grateful to the Academy – and especially to Balwant Thakur (Secretary of the Academy) and Nawang Tsering Shakspo (Cultural Officer Leh) – for making it possible.

The conference benefited from wide publicity and high level government support. The opening ceremony took place at the government auditorium, next to the polo ground in Leh, and the chief guest was Jammu & Kashmir chief Minister Jenab Mufit Mohammad Sayeed. The government delegation included: Mangat Ram Sharma, J&K Deputy Chief Minister; Ngawang Rigzin Jora, J&K Minister for Science and Tehcnology; Education Minister J&K Syed Bashir Shah and Thupstan Chhewang, the Chief Executive Councillor of the Ladakh Autonomous Hill Development Council. Distinguished guests

at the opening ceremony in cluded Skushog Bakula Rin poche, the patron of the IALS. Ghulam Hassan Khan – Ladakh's member of parliament – attended one of the sessions.

The actual conference took place in Choglamsar at the Indus Hotel, which for five days became an international serial. As ever, we had a strong international mix, with participants from different regions of Ladakh and other parts of India, as well as Austria, Belgium France, Germany, Italy, the Netherlands, the UK and the US. Disappointingly, no participants from Baltistan were able to come;' we hope that we will be able to make up for this at the next colloquium.

Before the conference, a Ladakhi friend had asked somewhat specially whether there was anything of international interest left in Ladakh; he evidently half-expected the answer 'No'. The papers proved otherwise. Altogether, there were more than 60 presentations. For the first time in IALS history, we had to have parallel sessions on the Tuesday and on the Friday afternoon.

One overriding theme that touched on almost all the sessions concerned social change and development; what are Ladakhis gaining and what are they losing? What choices are there? And who should be responsible for making

them? Such questions came up even in less 'obvious' sessions. For example, in the opening panel on Art and Archaeology, Professor Wolfgang Heusgen from the Graz University of Technology discussed problems of architectural conservation at Alchi. There are now plans to construct a hydro-electric project some two to three kilometers up river from Alchi, and the tremors caused by explosives used in its construction threatens to undermine the stability of the temple building there. It is important to develop new source of energy, but what is the right approach?

In the session on wildlife, Rinchen Wangchuk gave a hopeful paper on the possibility for reconciling wildlife conservation with the demands of local villagers who wish to protect their livestock from snow leopards. Field investigations and discussions with the villagers showed that it was possible to reduce the number of domestic livestock casualties by building better corrals, thus encouraging the leopards to concentrate on other prey.

Several participants spoke from personal experience in the sessions on 'cultural and traditions' and 'development and social change'. Abdul Ghani Sheikh presented a paper on transformation in Kuksho village, which has a

mixed Buddhist and Muslim population. In a similar vein, Tscring Norboo discussed how the Wakha-Mulbekh region served as a 'confluence' of two faiths – Buddhism and Islam.

Sat Paul Sahni described how he had five visited Ladakh in 1946, and discussed the many changes that he had witnessed in his frequent visits since then. He supported his paper with an extensive slide show; the older pictures of familiar place such as Leh bazaar were particularly striking. Harjit Singh presented personal reminiscences of his first researches in Ladakh in what now seem like the distant days of 1973: he underestimated the challenges of the Khardong-la, and emerged from his adventures thinner and wiser. Both these veterans were outmatched by an account of an even carlier visit to Ladakh, by Prince Peter of Greece an d Denmark in 1938. Martijin van Beek presented a paper written by his colleague Poul Pedersen of Aarthus University. Poul has found papers, photographs and even a short film left by Prince Peter. We were able to see a video version of the film, showing a polo match, and a yak caravan arriving in the bazaar from Central Asia.

The importance of the Ladakhi language came up at several points in the conference. Muhammad Omar Gutu nadvi, the Imam of the

them? Such questions came up even in less 'obvious' sessions. For example, in the opening panel on Art and Archaeology, Professor Wolfgang Heusgen from the Graz University of Technology discussed problems of architectural conservation at Alchi. There are now plans to construct a hydro-electric project some two to three kilometers up river from Alchi, and the tremors caused by explosives used in its construction threatens to undermine the stability of the temple building there. It is important to develop new source of energy, but what is the right approach?

In the session on wildlife, Rinchen Wangchuk gave a hopeful paper on the possibility for reconciling wildlife conservation with the demands of local villagers who wish to protect their livestock from snow leopards. Field investigations and discussions with the villagers showed that it was possible to reduce the number of domestic livestock casualties by building better corrals, thus encouraging the leopards to concentrate on other prey.

Several participants spoke from personal experience in the sessions on 'cultural and traditions' and 'development and social change'. Abdul Ghani Sheikh presented a paper on transformation in Kuksho village, which has a

mixed Buddhist and Muslim population. In a similar vein, Tscring Norboo discussed how the Wakha-Mulbekh region served as a 'confluence' of two faiths – Buddhism and Islam.

Sat Paul Sahni described how he had five visited Ladakh in 1946, and discussed the many changes that he had witnessed in his frequent visits since then. He supported his paper with an extensive slide show; the older pictures of familiar place such as Leh bazaar were particularly striking. Harjit Singh presented personal reminiscences of his first researches in Ladakh in what now seem like the distant days of 1973: he underestimated the challenges of the Khardong-la, and emerged from his adventures thinner and wiser. Both these veterans were outmatched by an account of an even carlier visit to Ladakh, by Prince Peter of Greece an d Denmark in 1938. Martijin van Beek presented a paper written by his colleague Poul Pedersen of Aarthus University. Poul has found papers, photographs and even a short film left by Prince Peter. We were able to see a video version of the film, showing a polo match, and a yak caravan arriving in the bazaar from Central Asia.

The importance of the Ladakhi language came up at several points in the conference. Muhammad Omar Gutu nadvi, the Imam of the

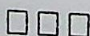
Jamia Masjid in Leh, told of his collaborative initiative with Rev Konchok Phandey to translate the Holy Quran into simple Ladakhi. On the final day, Roland Bielmeier discussed the classification of Western Tibetan Dialects. Raja Iftikhar Hussain, who lives in Srinagar but whose family comes from Baltistan, discussed the impact of Balti dialect. Bettina Zeisler discussed the evolution of Ladakhi, and its relationship with classical Tibetan. Papers by Tashi Gyalpo and Knochok Rigzin prompted a vigorous – and appropriately multilingual – debate on the merits of learning classical Tibetan and the extent to which it was possible or desirable to develop a written from of colloquial Ladakhi. Mr. H.U Hemid submitt paper change and development in Chang Thang before the audiance.

In addition to the conference papers and slide presentations, we benefited from a cultural performance showing dance from all parts of Ladakh on 22 July. The following even ing we returned to the polo-ground auditorium for an impressive performance of Lta sam med pe rgyu rjai by Mipham Ostal's Ladakh Theatre Organisation (LTO) . The performance starred Otsal himself and using mime and other techniques, again raised questions about 'blind development'. On the Thursday evening, we saw

a presentation of an American film, Oracles and Demons of Ladakh, which – among other local celebrities – featured the Ayu Lhamo.

A short report such as this is bound to be partial and incomplete. For a more detailed record, it will be necessary to wait for the colloquium proceedings. We plan to publish a conference volume through the Cultural Academy (see separate note on IALS publications), and this should come out in the course of 2004.

News of the conference was broadcast locally both in the printed media and on television. On my final evening in Leh, I had the pleasure of watching a Doordarshan Urdu- language programme showing two IALS members – Abdul Ghani Sheikh and Janet Rizvi – reviewing the conference. They commented that Ladakh was a special place to attract such international interest. Indeed.



کشمیر سے لداخ تک قدیم راستے

کشمیر سے لداخ جانے کے لئے اس وقت سرینگر لیہہ ۴۳۴ کلومیٹر سڑک پر ٹریفک کا نظام ہے۔مگر قدیم زمانے سے سرینگر سے براستہ زوجیلا کرگل کا سفر پیدل ہوا کرتا جو کافی پیچیدہ ہوتا تھا۔اس کے علاوہ سرینگر سے براستہ انشان سورورنگڈم قدیم زمانے کا پیدل راستہ ۲۹۴ میل لمبا تھا پر لوگ سفر کرتے تھے۔ سرینگر سے جنوب جانب اونتی پورہ بجبہاڑہ اور اسلام آباد سے سڑک آگے اچھ بل سے ہوکر علاقہ کوٹھار سے گذرتی ہے۔شانگس کے بعد قصبہ نُن بگ اور پھر گاؤں آتا ہے جو کہ سطح سمندر سے ۸۰۵۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔سرینگر سے ۶۷ میل دوری پر واقعہ یہ جگہ کافی مقبول ہے۔۱۶ میل کی مسافت پر انشان (واڈون) ہے جو سطح سمندر سے ۸۳۰۰ فٹ اونچائی پر ہے۔قدیم زمانے میں یہ بہت بڑے علاقے کی راجدھانی رہی ہے۔ادھر ایک دریا بہتا ہے۔علاقہ میں ٹرانسپورٹ کا کوئی انتظام نہیں ہے۔آگے راستہ کھٹن ہے۔اور ادھر ہی سے لداخ کا حصہ شروع ہوتا ہے۔۹ میل کی دوری پر باسیمر آتا ہے۔یاسیمر سے ۸ میل کی دوری پر سوکھاز ہے۔بٹہ کول پر پُل کھڑا ہے۔۲۰ میل چل کر مارسی کھل ہے۔اس کے مغرب جانب نلٹ کل پہاڑ کھڑا ہے۔جو کہ سطح سمندر سے ۱۴۸۷۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔مارسی کھل سے ۲۰ میل چل کر چلنگ وادی کے مشرق میں ونوری آتا ہے۔راستہ چلتا ہے۔دس میل کے بعد سوروآتا ہے جو کہ سرینگر سے ۱۵۰ میل کی مسافت پر پڑتا ہے۔سوروئی بستیوں کا آماجگاہ ہے دریائے سورو کے کنارے قدیم زمانے کا قلعہ کھڑا ہے۔سورویل کے آگے سڑک چڑھائی کی

جانب گذرتی ہے۔ ۱۸ میل کی مسافت طے کرنے کے بعد گمٹ ینگو ہے جہاں ایک گھمپا ہے ہے ۱۷ میل چل کر رنگڈم آتا ہے جو بودھی دھرم وعقیدت مندوں کی خاص جگہ ہے۔ گھمپا ہے ۱۷ میل چل کر رنگڈم آتا ہے جو بودھی دھرم وعقیدت مندوں کی خاص جگہ ہے گھمپا کے علاوہ لاماؤں کی سرائے ہے۔ اس جگہ کونگی لاکی چوٹی اورھمیر وادی کا گلشیر نظر اآتا ہے۔ سورو سے اس جگہ تک کا علاقہ سطح سمندر سے صرف ۱۰۷۰۰ فٹ بلندی پر واقع ہے۔ ۲۷ میل کے بعد کاچو پہنچ جاتے ہیں۔ پھر یہ راستہ ۱۲ میل کی مسافت کے بعد ساکولو مادریا کے کنارے پر آباد ہنس کوٹ پہنچ جاتا ہے یہ جنگلی جانوروں کی آماجگاہ ہے ادھر ہی سے فویتلا کے ساتھ سرینگر کرگل سے لیہہ آنے والی سڑک کے ساتھ یہ راستہ جڑتا ہے جو کہ سرینگر سے سورو کے راستے ۲۲۵ میل دور ہے ادھر سے لیہہ صرف ۶۸ میل کی دوری پر واقع ہے۔

سرینگر سے ایک اور راستہ قدیم زمانے سے لدر وادی سے ہوکر لداخ جاتا ہے۔ شہر سرینگر سے قصبہ اونتی پورہ پہنچ کر وستورون پہاڑ کے دامن سے گذر کر ترال آتا ہے۔ ترال اونچائی پر واقع ہے جو سرینگر سے ۴۰ کلومیٹر دور ہے۔ اب ترال علاقے تک ٹریفک کا نظام چالو ہے ترال سے آگے سڑک پہاڑی علاقے سے گذر کر وادی لدر میں داخل ہو جاتی ہے۔ اور ولرہامہ کے مقام پر پہاڑ سے آئی سڑک کے ساتھ ملتی ہے۔ پھر لنگن بل آتا ہے۔ دریائے لدر پر بنے پُل کے پار سڑک پہلگام جاتی ہے، جبکہ اس پار دریا کے کنارے شمال جانب راستہ (سڑک) لنگنی نال کی طرف بڑھتا ہے۔ سطح سمندر سے ۱۱۳۱۵ فٹ اونچا ہے۔ ۱۵ میل طے کرنے کے بعد یاسمین آتا ہے۔ چلتے چلتے سوکھ ناگ اور پھر ڈائنور پہنچ جاتے ہیں۔ اب سڑک راستہ سورو جاتی ہے جہاں ایشان (واڈون) سے آیا راستہ اس

راستہ سے جڑ جاتا ہے پھر سورو سے آگے ہنس کوٹ پہنچ جاتے ہیں۔ ہنس کوٹ کے مقام پر سرینگر لیہہ قومی شاہراہ کے ساتھ یہ راستہ جڑ جاتا ہے۔

سرینگر سے ایک اور راستہ بدری برادی سے ہو کے لداخ جاتا ہے اسلام آباد سے کوٹہار پھر نوبگ پہنچ جاتے ہیں۔ نوبگ سے راستہ بہ آزادی کو جاتا ہے جو کہ سرینگر سے ۷۱ میل دور ہے بدری براری سے گیارہ میل مسافل پر بریان نار کی جگہ ہے جو کہ سطح سمندر سے ۱۲۵۰۰ فٹ بُلندی پر واقع ہے پھر ۱۰ میل کی دوری پر یڈ نار آتا ہے یہ سارا علاقہ جون تک برف سے آگے راستہ قدرے بہتر ہے۔ پُل کو عبدر کرنے کے بعد پیٹھ گام آتا ہے۔ اس جگہ ماریو MAR YOU بھی پکارتے ہیں یہ جگہ یڈ نار سے کافی نیچے ہے۔ یعنی سطح سمندر سے صرف ۷۱۰۰ فٹ بُلندی پر ۱۹۲۶ میں یٹوان علاقے میں دریا پر تعمیر شدہ پُل بہہ گیا تھا پھر علاقے میں نئے سرے سے پُل تعمیر کیا گیا۔ ۱۴ میل چل کر متوان گاؤں آتا ہے اس کے ۱۴ میل اور طے کر کے مہاران کا مقام آتا ہے اس علاقہ میں راستے میں کئی اُتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ ۱۷ میل دور چل کر کالکیان چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ پھر ۱۶ میل کی مسافت کے بعد چھلنگ لا ہے جہاں گلیشرز بھی دکھائی دیتے ہیں۔ سطح سمندر سے ۱۷ ہزار فٹ کی بُلندی پر گلیشر کی چوٹی ہے۔ ۱۳ میل چلتے تو رنگڈام سے ملتا ہے۔ راستہ پھر یہی راستہ ہنس کاٹ سے ہو کر مالا مایورو کی جگہ میں سڑک سے ملتا ہے جو آگے پہنچ جاتا ہے اس طرح بدردی برادری کے راستے سرینگر سے لیہہ تک ۳۱۲ میل دور ہے۔

نوٹ: اس مضمون کو تیار کرنے میں راقم نے ۱۹۲۹ء میں شائع انگریزی کتاب کا سہارا لیا جو کہ Surveyor General Of India کی نگرانی میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔

سرینگر سے لداخ کا سفر

سرینگر سے لیہہ (لداخ) کا راستہ زوجیلا میں شدید برف بھاری کی وجہ سے نومبر سے ہی بند ہو جاتا ہے اور پھر مئی کے مہینے میں کھل جاتا ہے۔ راقم نے اس سڑک کے ذریعے لیہہ سے سرینگر اور سرینگر سے واپسی لداخ جون ۲۰۰۲ء کے تیسرے ہفتے میں پہلا سفر کیا ہے۔ دوسرا سفر واپسی کا ۳ جولائی کو کیا ہے جبکہ ستمبر میں اپنے آبائی گھر پلوامہ سے جموں ہوتے ہوئے منالی ہماچل پردیش کے راستے چار یوم کا سفر کیا ہے۔ سال ۲۰۰۳ء میں ۳۰ ستمبر کو لیہہ سے کشمیر کا بس کے ذریعے دوسرا سفر کیا جو برابر ۳۰ گھنٹے میں طے ہوا۔ اس ضمن میں راقم نے صرف وقت کی رفتار کا خیال رکھا کہ کس جگہ سے دوسرے مقام تک کتنا وقت لگتا ہے۔ لیہہ سے صبح ۶ بجے بس روانہ ہو کر ۴۵ منٹ میں پتھر صاحب پہنچ جاتی ہے پھر نیوموتک ۲۵ منٹ لگتے ہیں۔ ادھر سے باسگو صرف ۴۰ منٹ میں پہنچ جاتے ہیں۔ آگے اپچی جانے والی سڑک کے موڑ تک ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ اس جگہ سے کھلسی تک برابر ایک گھنٹہ کا سفر ہے۔ پھر آدھے گھنٹے میں لامایورو پہنچ سکتے ہیں۔ پھر فوتیلا چڑھائی تک صرف ۲۰ منٹ لگتے ہیں۔ اس مقام سے بودھ کربوکھ کا سفر ایک گھنٹے کا ہے۔ آگے نمکیلا چوٹی کے چڑھائی دامن تک پہنچنے میں نصف گھنٹہ لگتا ہے۔ یہاں سے واکھا اور مُلبگ نصف گھنٹہ تک کا ٹائم درکار ہے۔ مُلبکھ سے شرگول تک کا سفر ۴۵ منٹ میں طے ہوتا ہے۔ اس مقام سے صرف ایک گھنٹہ میں کرگل پہنچ

راستہ سے جڑ جاتا ہے پھر سورو سے آگے ہنس کوٹ پہنچ جاتے ہیں۔ ہنس کوٹ کے مقام پر سرینگر لیہہ قومی شاہراہ کے ساتھ یہ راستہ جڑ جاتا ہے۔

سرینگر سے ایک اور راستہ بدری برادی سے ہو کے لداخ جاتا ہے اسلام آباد سے کوٹھار پھر نوبگ پہنچ جاتے ہیں۔ نوبگ سے راستہ بہ آزادی کو جاتا ہے جو کہ سرینگر سے ۷۱ میل دور ہے بدری براری سے گیارہ میل مسافل پر بریان نار کی جگہ ہے جو کہ سطح سمندر سے ۱۲۵۰۰ فٹ بُلندی پر واقع ہے پھر ۱۰ میل کی دوری پر یڈنار آتا ہے یہ سارا علاقہ جون تک برف سے آگے راستہ قدرے بہتر ہے۔ پُل کو عبدر کرنے کے بعد پیٹھ گام آتا ہے۔ اس جگہ ماریو MAR YOU بھی پکارتے ہیں یہ جگہ یڈنار سے کافی نیچے ہے۔ یعنی سطح سمندر سے صرف ۱۰۰،۷ فٹ بُلندی پر ۱۹۲۶ میں یٹوان علاقے میں دریا پر تعمیر شدہ پُل بہہ گیا تھا پھر علاقے میں نئے سرے سے پُل تعمیر کیا گیا۔ ۱۴ میل چل کر مٹوان گاؤں آتا ہے اس کے ۱۴ میل اور طے کر کے مہاران کا مقام آتا ہے اس علاقہ میں راستے میں کئی اُتار چڑھاؤ آتے ہیں۔ ۱۷ میل دور چل کر کالکیان چوٹیاں نظر آتی ہیں۔ پھر ۱۶ میل کی مسافت کے بعد چھلنگ لا ہے جہاں گلیشرز بھی دکھائی دیتے ہیں۔ سطح سمندر سے ۱۷ ہزار فٹ کی بُلندی پر گلیشر کی چوٹی ہے۔ ۱۳ میل چلتے تورنگڈام سے ملتا ہے۔ راستہ پھر یہی راستہ ہنس کاٹ سے ہو کر مالا مایورو کی جگہ میں سڑک سے ملتا ہے جو آگے پہنچ جاتا ہے اس طرح بدردی برادری کے راستے سرینگر سے لیہہ تک ۳۱۲ میل دور ہے۔

نوٹ: اس مضمون کو تیار کرنے میں راقم نے ۱۹۲۹ء میں شائع انگریزی کتاب کا سہارا لیا جو کہ Surveyor General Of India کی نگرانی میں کلکتہ سے شائع ہوئی۔

سرینگر سے لداخ کا سفر

سرینگر سے لیہہ (لداخ) کا راستہ زوجیلا میں شدید برف بھاری کی وجہ سے نومبر سے ہی بند ہو جتا ہے اور پھر مئی کے مہینے میں کھُل جاتا ہے۔ راقم نے اس سڑک کے ذریعے لیہہ سے سرینگر اور سرینگر سے واپسی لداخ جون ۲۰۰۲ء کے تیسرے ہفتے میں پہلا سفر کیا ہے۔ دوسرا سفر واپسی کا ۳ جولائی کو کیا ہے جبکہ ستمبر میں اپنے آبائی گھر پلوامہ سے جموں ہوتے ہوئے منالی ہماچل پردیش کے راستے چار یوم کا سفر کیا ہے۔ سال ۲۰۰۳ء میں ۳۰ ستمبر کو لیہہ سے کشمیر کا بس کے ذریعے دوسرا سفر کیا جو برابر ۳۰ گھنٹے میں طے ہوا۔ اس ضمن میں راقم نے صرف وقت کی رفتار کا خیال رکھا کہ کس جگہ سے دوسرے مقام تک کتنا وقت لگتا ہے۔ لیہہ سے صبح ۶ بجے بس روانہ ہو کر ۴۵ منٹ میں پتھر صاحب پہنچ جاتی ہے پھر نیوموتک ۲۵ منٹ لگتے ہیں۔ ادھر سے باسگو صرف ۴۰ منٹ میں پہنچ جاتے ہیں۔ آگے اپچی جانے والی سڑک کے موڑ تک ایک گھنٹہ لگتا ہے۔ اس جگہ سے کھلسی تک برابر ایک گھنٹہ کا سفر ہے۔ پھر آدھے گھنٹے میں لامایورو پہنچ سکتے ہیں۔ پھر فوتیلا چڑھائی تک صرف ۲۰ منٹ لگتے ہیں۔ اس مقام سے بودھ کربوکھ کا سفر ایک گھنٹے کا ہے۔ آگے نمکیلا چوٹی کے چڑھائی دامن تک پہنچنے میں نصف گھنٹہ لگتا ہے۔ یہاں سے واکھا اور مُلبگ نصف گھنٹہ تک کا ٹائم درکار ہے۔ مُلبکھ سے شرگول تک کا سفر ۴۵ منٹ میں طے ہوتا ہے۔ اس مقام سے صرف ایک گھنٹہ میں کرگل پہنچ

پاتے ہیں۔اس طرح سہہ پہر چار بجے کے بعد یہ ٹریفک کرگل پہنچ جاتا ہے۔
لیہہ سے آنے والا ٹریفک رات کے ایک بجے تک بند کیا جاتا ہے تب تک سرینگر زوجیلا سے آرہی تمام گاڑیوں نے کرگل بھی کراس کیا ہوتا ہے۔رات کے ایک بجے کرگل سے بس روانہ ہوکر دو گھنٹوں میں دراس پہنچ جاتی ہے۔
جونہی صُبح کی سپیدی نمودار ہوتی ہے تو مٹھائن آتا ہے۔اس کے بعد منی مرگ اور گومری پہنچ جاتے ہیں۔دراس سے گومری تک ۲ گھنٹے تک کا وقت لگتا ہے۔اورلداخ کا یہ حصہ گرمیوں میں بھی صبح وشام کے وقت کافی ٹھنڈ رہتا ہے۔گومری کی وادی سے زوجیلا درے اوراس پہاڑ کے سینے سے اُترتے اُترتے بال تل کے دامن تک ایک گھنٹہ ہی لگتا ہے اس جگہ سے سون مرگ تقریباً آدھ گھنٹہ میں پہنچ جاتے ہیں۔سون مرگ میں گھنٹہ بھر ٹریفک رُک جاتا ہے۔چیکنگ، مسافروں کے کھانے پینے اور دیگر لوازمات پورا کرنے کی وجہ سے۔اس جگہ سے بس روانہ ہوکر تین گھنٹوں میں سرینگر پہنچ جاتی ہے۔

۹/اکتوبر ۲۰۰۴ءکو سرینگر سے لداخ کے سفر کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتا ہوں۔قلم اور کاپی لے کر میں ساتھ ساتھ درج کرتا رہا تاکہ کوئی چیز بھولنے نہ پائے۔یہ سفرنامہ صاف صاف نقل کرتا ہوں۔

۱۸/اکتوبر ۲۰۰۴ء

مصنف

نیوما (چنگ تھنگ)

سرینگر سے روانگی

صبح ۸ بجے روڈ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی بس روانہ ہوئی۔ سفر کے مشاہدات اور غور وخوض سے جانکاری حاصل کرنے کی وجہ سے فرنٹ سیٹ لے رکھی تھی۔ کہیں کہیں ٹیپ ریکارڈنگ بھی کرنا پڑی۔

شہر کی گہما گہمی سے گزرتے ہوئے صرف ۱۵ منٹ بعد حضرت بل آیا۔ دائیں طرف یعنی مشرق جانب آثار شریف حضرت بل اور بائیں جانب یعنی مغرب کی طرف سے وسیع رقبے پر پھیلا ہوا کشمیر یونیورسٹی نظر آتی ہے۔ آگے نسیم باغ اور شمال مشرق جھیل ڈل کا نظارہ دل کو لبھاتا ہے۔ موسم خزان کی شروع میں وادی کا حُسن اور نکھرا ہوتا ہے۔ دھوپ کی تمازت، چناروں کا مسکن، نسیم باغ اس حسن میں اور نکھار لاتا ہے۔ شہر توز کورہ تک پھیل چکا ہے۔ ٹریفک کا دباؤ بڑھنے لگا ہے اور علاقہ بھی گنجان لگتا ہے۔ مگر یہ تو عیاں ہے کہ نسیم باغ سے لے کر سڑک کے دونوں کناروں پر جگہ جگہ چنار کے بھاری بھرکم درختوں کی ایستادگی قدیم زمانے کے بنے راستہ کے نشانات ہیں۔ زکورہ سے لے کر گنگن تک ننگے ننگے کھیت اور کہیں کہیں دھان کی فنڈائی میں مصروف مردوزن نظر آتے ہیں۔ آدھے گھنٹے میں گاندربل کے مصروف ترین قصبہ کے بیچ سے بس چلتی ہے۔ یہ لال چوک سے ۲۰ کلومیٹر دور ہے۔ ادھر سے سڑک تھوڑا مشرق کی جانب مُڑتی ہے۔ گاندربل کے پہاڑ دامن میں قدیم بجلی

پروجیکٹ کی موجودگی اس کی اہمیت کی خود آئینہ دار ہے۔ اس جگہ سے ٹریفک کا دباؤ کم لگتا ہے۔ آگے چل کر کھلی وادی کے مشرق اور مغرب اطراف پہاڑی سلسلے کا نظارہ کیا جاسکتا ہے۔ نالۂ سندھ پر لگے لوہے کے پُل پر سے جونہی بس گزرتی ہے تو یہ نظارۂ دل کو لُبھاتا ہے۔ پانی کے بہاؤ میں اس موسم میں تیزی بھی نہیں اور نالہ سندھ کی گردونواح وسیع وعریض جگہ خوبصورتی میں اوراضافہ کرتی ہے۔

لداخ سے آیا ہوا ٹریفک جو کہ لیہہ اور کرگل میں اس دن سے پہلے روانہ ہوتا ہے اسی مقام سے برابر سونہ مرگ تک ملتا ہے۔ منی گام سے سڑک بلندی کی طرف جاتی ہے۔ یہ مشرق کی طرف رُخ کرتی ہے۔ تینوں اطراف جنوب مشرق اور شمال جانب پہاڑی سلسلہ نظر آتا ہے۔ شمالی سلسلہ سے آیا کنگن نالہ اس جگہ نالہ سندھ میں گرتا ہے۔ لوہے کے پل کو پار کرتے ہی دائیں طرف کنگن ہائیڈل پروجیکٹ ہے۔

سرینگر سے ۴۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع کنگن قصبہ ایک تجارتی مرکز ہے۔ یہ سرینگر لداخ سڑک پر اہم پڑاؤ مانا جاتا ہے۔ یہاں سے لیہہ ۳۹۵ کلومیٹر دور ہے۔ جغرافیائی خدوخال کے لحاظ سے کنگن خوبصورت ہے۔ یہاں کے بازاروں میں اکثر چیزیں دستیاب رہتی ہیں۔ اس جگہ سے بس کو سوا گھنٹہ سرینگر اور گنڈ کی طرف نصف گھنٹہ لگتا ہے۔ ڈھلوان پر واقع گنڈ ایک دیدہ زیب گاؤں ہے۔ گنڈ سے قدرتی نظاروں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ برابر سون مرگ تک اور پون گھنٹے میں اس سیرگاہ میں پہنچ جاتے ہیں۔ سرینگر سے سون مرگ تک ۸۵ کلومیٹر کی دوری ہے۔ موسم سہانا ٹھنڈا اور برفیلا رہتا ہے۔ جب دھوپ نکھر جاتی ہے تو ادھر سے آگے نکل جانے کو من نہیں کرتا

ہے۔سیاحوں کے رش کی وجہ سے یہاں بازاراور ہوٹل بڑھنے لگے ہیں۔ پُل کے پار مغرب جانب سون مرگ گاؤں آباد ہے۔اس جگہ سے آگے سڑک پر کہیں گاؤں نظر نہیں آتا ہے۔دس کلومیٹر دور کشمیر کا آخری پڑاؤ بال تل آتا ہے۔کھلے میدان سے ایک راستہ امرناتھ جاتا ہے اور بلندی کی طرف سڑک لداخ کو جاتی ہے۔ یہاں سے دراس تک یکطرفہ ٹریفک کا نظام چالو ہے۔ یہ سڑک اپریل مئی سے اکتوبر نومبر تک کھلی رہتی ہے۔ بال تل سے سڑک چکر کاٹتی ہوئی برابر گومری تک گذرتی ہے۔ یہ سڑک کہیں کافی تنگ ہے۔بال تل سے آگے سڑک پر جہاں سرینگر کا فاصلہ ۱۰۰ کلومیٹر لکھا ہے وہاں سے ہی لداخ شروع ہوتا ہے اور ننگی چوٹیاں اور زوجیلا سلسلہ۔اس جگہ سے لیہہ ۴۳۳ کلومیٹر دور ہے۔اس بُلندی سے نظر نیچے جاتی ہے ایک درّہ جنوب کی طرف امرناتھ دوسرا درّہ مغرب جانب بال تل سونمرگ اور آگے تیسرا درہ یعنی شمال مشرق زوجیلا۔ جو قدیم زمانے میں کشمیر اور لداخ کا پیدل راستہ تھا جب سڑک نہ تھی۔کیپٹن موڑ تک سڑک کافی تنگ خستہ حال اور پُرخطر ہے۔بیکن کا عملہ گرمیوں کے چھ ماہ اس سڑک کو کشادہ کرنے پسیاں ہٹانے اور بلڈوزر کرین تیار بہ تیار رکھتے ہیں۔انڈیا گیٹ زوجیلا کا مرکز مانا جاتا ہے۔سال ۲۰۰۲ء سے بال تک کے اوپر سے نکالی گئی بائی پاس ادھر ہی ملتی ہے۔یہ جگہ سطح سمندر سے ۱۱۶۴۰ فٹ بلند ہے۔آگے راستہ اب قدرے کھلا اور آسان ہے۔اس جگہ کو کنہ پتھری کہتے ہیں۔زوجیلا نیلے آکاش کو چھوتے ہوئے قدرت کے انمول تحفہ کا پتہ دیتا ہے۔اس کے دامن میں وسیع کھلی جگہ گومری کا میدان ہے۔بال تل سے اس میدان تک سڑک کی مسافت ۱۵ کلومیٹر ہے۔ گومری کے آس پاس بھیڑ بکریوں کے وہ ریوڈ نظر آتے ہیں جو شمالی کشمیر کے

مختلف حصوں سے چوپان اور پونچھ اور راجوری سے کچھ ماہ گھاس چرانے کے لئے لاتے ہیں۔ اس جگہ ایک فوجی چھاونی ہے۔ گاڑیوں کی چیکنگ کی جاتی ہے۔ کشمیر پولیس پارٹی بھی اس جگہ تعینات ہے۔

یہاں سے سڑک اب بلکل مشرق جانب اترائی کی جانب مُڑتی ہے۔ آگے منہ مرگ آتا ہے۔ اس جگہ پولیس چوکی ہے۔ گاڑیوں کی رجسٹریشن کے لئے ٹھہرنا پڑتا ہے۔

سون مرگ کے بعد لگ بھگ ۵۰ کلومیٹر کے بعد اب انسانوں کی بستی نظر آتی ہے۔ یہ جگہ مٹائن ہے۔ لداخی ماحول کا پہلا گاؤں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سالہا سال سے گومری سے مٹائن تک کی سڑک بربادی کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ ان تین سالوں کے سفر کے دوران اس پر ٹائر میکڈم نہ بچھایا گیا۔ سڑک کو کُشادہ کرنے کا کام ہاتھ میں لیا گیا ہے۔ سڑک کی تباہی کا حال موسم کی خرابی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ زوجیلا سے مٹائن تک اتنی برف گرتی ہے کہ مٹائن کے مکانات جاڑے کے مہینوں میں برف سے ڈھک جاتے ہیں۔ یہ لوگ نومبر سے پہلے پہلے گاؤں کو خیرباد کرتے ہیں۔ کچھ دراس چلے جاتے ہیں اور کچھ کشمیر کا رُخ کرتے ہیں۔ سرینگر سے مٹائن تک بس کو چھ گھنٹے لگتے ہیں۔ آگے دراس اور کرگل تک سڑک کشادہ ہے۔ ٹائر میکڈم بچھا ہے۔ دوطرفہ ٹریفک چلنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی ہے۔

سرینگر سے دراس تک ۱۴۷ کلومیٹر دور ہے اور یہاں پہنچنے میں تقریباً سات گھنٹے لگتے ہیں۔ یہاں سے کرگل اور لیہہ بالترتیب ۵۷ کلومیٹر اور ۲۸۷ کلومیٹر دوری پر آتے ہیں۔ دراس میں دوپہر کا کھانا ہوٹلوں میں ملتا

ہے۔ یہ معمولی قسم کے ہوٹل ہیں۔ دراس کے بائیں جانب کی سڑک سانکو جاتی ہے ل۔ جبکہ آگے کی سڑک کرگل اور کرگل پہنچنے میں دو گھنٹے لگتے ہیں۔

کرگل کا قصبہ ایک تاریخی جگہ ہے مگر لیہہ سے کافی پیچھے اور یہاں کے ہوٹل بھی اب اتنے معیار کے نہیں جتنے کہ لیہہ کے ہیں۔ انسپل پرتاپ سنگھ کو میرے آنے کی خبر تھی۔ میرے فون کرنے پر اُس نے نہ صرف گاڑی بھیج دی بلکہ خود بھی آ کے مجھ سے ملے۔ اس کے سرکاری ٹھکانے پر پہنچا۔ اچھی خاطر داری کی۔ اگلے صبح اُس نے قصبہ کرگل کی سیر کرائی۔ اس دوران ریڈیو سٹیشن اور پولیس سٹیشن کے علاوہ انفارمیشن دفتر گئے۔ اسی دوران ژھرنگ نربو اسسٹنٹ ڈائریکٹر انفارمیشن لیہہ بھی ملا جو فی الحال کرگل ڈیوٹی پر رکھا گیا ہے کے ساتھ دو گھنٹے گذارے۔

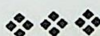
شام کو اے پی سنگھ کے کوارٹر پر ہم دونوں نیوما میں گذارے سال پر تبصرہ کرتے رہے۔ ہماری نزدیکی دوستی کی یادوں کا سہارا رہے۔

اگلی صبح یعنی ۱۱ر اکتوبر کو صبح ۷ بجکر تیس منٹ پر سوموٹیکسی گیٹ پر پہنچی۔ موسم اُبر آلودہ تھا۔ پھر دھوپ بھی لگی۔ (کرگل سے لیہہ تک کے سفر کو مکمل طور قلمبند کیا تھا وہ اوراق کہیں گُم ہو گئے ہیں) اس کی تفصیل تصویر لداخ میں ایک مضمون میں آیا ہے جو وہ موادمل گیا۔

دو پہر کے تین بجے لیہہ شہر پہنچا۔ ایک گیسٹ ہاؤس کے کمرے میں سامان رکھا۔ پھر ڈسٹرکٹ انفارمیشن سنٹر گیا وہاں کچھ دستاویزات اور چھٹیاں نیوما کے لئے لائیں۔ واپس گیسٹ ہاؤس آیا پھر جامع مسجد کا رخ کیا۔ نماز مغرب اور عشاء کی ادائیگی کے بعد ایک ہوٹل میں دال پراٹے کھا کر اپنے ٹھکانے پر آ گیا۔ سو گیا رات کے تین بجے جاگا۔ سفر کے تھکان کی وجہ سے نیند

نہ آئی۔نماز فجر کی ادائیگی کے بعد بس اڈے کی طرف رُخ کیا۔کوئیول جانے والی بس میں بیٹھا جو صبح چھ بجے روانہ ہوئی۔سات گھنٹے کے سفر کے بعد نیوما وادی میں داخل ہوا۔ٹھیکدار کی گاڑی میں اپنے کوارٹر تک سامان لایا۔پھر دفتر جوائن کیا۔اس طرح ۸۵ یوم کے بعد سرکاری ٹھکانے اور ڈھیر کو سنبھالنا شروع کیا۔

جونہی جموں وکشمیر کے بنگ منیجر شبیر گُل نے سُنا کہ میں آیا ہوں تو وہ فوراً میرے دفتر آکر گلے ملے اور کافی خوش ہوئے۔دو دن تک اُس نے مجھے اپنے کوارٹر پر ہی کھانے پینے کا بندوبست کرایا۔



لداخ دی مُون لینڈ

نشاط انصاری

"Ladakh is a moonland, where earth and sky seem to meet and it looks like the roof of the world. It is a vast sandy desert full of good franite dust and barren lofty mountains. The naked peeks seem to touch the vlue and clear horizon. There are a few valleys here and there surrounded by high mountain ranges.

یہ اقتباس ایک انگریزی کتاب ''لداخ دی مون لینڈ'' سے ہے جس کا ایک نہیں بلکہ تین مصنف ہیں۔ جن میں سے دو کا تعلق جاپان اور تیسرے کا وادی کشمیر سے ہے۔ ان مصنفوں کے نام ہیں ٹوکن ڈی سمی (Tokan D. Sumi) مساٹو اوکی (Masato Oki) اور فدا محمد حسین۔ اول الذکر جاپان کی ایچک یوکو (Aichik Yoiku) اور میجو (Meijo) یونیورسٹیوں کے پروفیسر ہیں اور موخر الذکر کشمیر کے ماہر آثار قدیمہ مورخ اور بدھسٹ فلاسفی کے اسکالر۔

ریاست جموں و کشمیر کے اس پہاڑی ضلع کا قدیمی نام کیا تھا اس کے بارے میں اکثر مورخوں نے لکھا ہے کہ اس ضلع کی پرانی تاریخ کے حالات پردہ اخفاء میں ہی تھے۔ تاہم باور یہی کچھ کیا جاتا ہے کہ لداخ کی تین وادیوں میں سب سے پہلے جن لوگوں نے وہاں جا کر قدم جمائے اور چھوٹے

بستیاں قائم کرلیں، وہ وادی سے تعلق رکھنے والے وہ خانہ بدوش تھے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ مویشیوں کے ریوڑ لے کر گھوما کرتے تھے۔ لداخ دی مون لینڈ کے مصنف اس بارے میں رقمطراز ہیں:

"The district was know in the past by different names, which bear no semblance with each other. It was called Mar-yul or lowland by some Kho-chum-Pa snowland by others. Among the earliest travellers Fa-Hien referred to it as Kia-chha and Hiuem-Tsang as Ma-lo-Pho. There are many others who prefer to call it as the land of Gumpas and lamas".

ریاست کے اس چاند نگر نے دنیا کے بہت سے سیاحوں اور مورخوں کو ماضی بعید سے ہی اپنا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ سطح سمندر سے انتہائی بلندی پر واقع ہونے کے اعتبار سے غیر ملکی سیاح، تبلیغی اداروں سے وابستہ لوگ، عیسائی مشنریوں کے پادری، جغرافیہ دان، ماہر آثار قدیمہ مورخ، زباندان اور ماہر علم بشریات علم الانسان لداخ کے عجیب وغریب جغرافیائی حالت جاننے کے لئے اس کے ساتھ اپنی شگفتگی دکھا کر نام کما چکے ہیں۔ کچھ لداخ کے ان بے برگ وبار پہاڑوں اور خندہ دندان نما چوٹیوں دشوار گذار راستوں، دروں اور چٹانوں کی ہیئت وساخت کو دیکھنے کے لئے آتے رہے جو لاکھوں برسوں تک سمندر کے پانیوں میں ڈوبے رہے۔ کئی سیاحت کار اور مورخ ایسے ہیں جو کشمیر کے ہی نہیں بلکہ سارے ملک کے اس سب سے بڑے رقبے پر محیط مگر کم آبادی والے ضلع کی وادیوں پہاڑوں دروں، ترائیوں اور ڈھلوانوں پر زندگی کے سب وروز گزارنے والے ایک لاکھ گیارہ ہزار لداخیوں، بلتیوں اور

پر کیوں کے رسم و رواج طرز حیات، زبان، سیاسی و عمرانی حالات اور تہذیبی و تمدنی زندگی کے طور طریقوں سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے آتے رہے۔ جو یہاں کے بدھ مت اور تانترک فلسفہ کا مطالعہ اور مراقبہ و غور و فکر کرنے کے خیال سے اس چاند نگر میں وارد ہو چکے اور دوسرے لوگ اس ضلع کے 73872 کلومیٹر رقبے کے سینے پر ابھرے ہوئے اور ارد گرد آٹھ سے پچیس ہزار فٹ اونچے پہاڑوں اور چوٹیوں کو دیکھنے اور ان پر چڑھنے کے شوق میں آتے جاتے رہے۔ غیر ملکیوں کے لئے لداخ کی اس کشش میں کونسے عوامل کارفرا تھے وہ اس اقتباس سے معلوم ہو سکتا ہے۔

"Ladakh has fascinated many a travellers and visitors from far off lands. Some were fascinated by its unique geographical position as the highest elevated land in the world, some wanted to see barren mountains, which had been under the sea for millions of years back, more people came its Ethonology, Anthropology, Budhism, Tantric and some to medicate".

کشمیر کی تین اکائیوں میں سے لداخ اکائی کا محل وقوع نقشہ اور طبعی ساخت ہی ایسی ہے کہ سترہ ویں صدی عیسوی تک دنیا تو کیا اس کے ہمسایئے بھی اس کے سیاسی، تاریخ اور تہذیبی حالات سے بے خبر ہی تھے۔ اگرچہ ۴۰۰ء میں دو چینی سیاح فاہیان (Fa-Hien) اور اوکانگ (Ou-Kang) اس حجاب کو توڑ بھی چکے مگر ان کے بعد تیرہ سو سال تک کوئی بھی یورپی سیاح یا مورخ، لداخ کی تہذیبی دھاراؤں و ثقافتی زندگی پر پڑے ہوئے دو بیز پردوں کو ہٹا نہ سکا۔ بعد میں یسوعی مشنری سے وابستہ دو پادریوں ازی و دیدو

(Azevedo)اور کلی ورا (Clivera) نے ۱۶۳۱ء میں اس طویل جمود کو توڑا۔ ان کے پچاسی سال بعد دو اور یورپی پادری فری (Freyre)اور ڈیسی ڈیری (Desideri)۔ ۱۷۱۶ء میں زوجیلا کے درے کو عبور کر کے لیہہ میں اپنے قدم رکھ چکے، جہاں کچھ مہینے قیام کرنے کے بعد انہوں نے ''وسطی ایشیاء میں ابتدائی یسوعی سیاح'' نام کی کتاب لکھی جسے ۱۹۲۲ء کے دوران زیور طبع سے آراستہ کیا گیا۔ ایک پادری فرا فرانسو (Fra Franciso)۔ ۱۷۳۰ء لداخ میں داخل ہوا اور اس نے بودھوں کے گمپھاؤں میں کئی سال گزار کر بدھ مت اور اس کے فلسفے کو سمجھنے میں کامرانی پائی۔

۱۷۷۴ء میں وارن ہیٹنگز نے اس چاند نگر کے چھپے ہوئے حالات کی جانکاری کے لئے جارج بوگل (George Bogle) کو لداخ روانہ کیا۔ اس کے چھتالیس سال بعد مور کروفٹ وہ پہلا مورخ اور سیاح ہے جو اپنے آپ کو ایک سوداگر جتلا کر ۱۸۲۰ء میں لداخ پہنچا اور ۱۸۲۲ء تک ٹھہرا۔ بعد میں اس نے اپنی کتاب ''دی لداخ'' میں یہاں کے سارے حالات پیش کر لئے۔ مور کروفٹ نے اپنی رہنمائی کے لئے کسی سید محمد شاہ کشمیری کو اپنے ساتھ رکھا۔ جس نے اسے اپنا اشتراک دے دیا۔ مور کروفٹ کے بعد ہینڈرسن (Handerson)۔ ۱۸۳۴ء کو لیہہ پہنچا اسے اپنا بھیس بدلنا پڑا اور اسماعیل خان نام کے ایک سوداگر کی حیثیت سے رہنا پڑا۔ اس کے اتباع میں ایک اور فرنگی وگنی (Vigne) نے یہاں آکر ''ٹراولز ان کشمیر (Travels in Kashmir) کتاب تصنیف کر لی۔ ۱۸۴۶ء میں برٹش گورنمنٹ نے الیگزنڈر کینگھم (Alexander Canningham)اور وانز ایگنیو (Vans Agnew) کو مہاراجہ گلاب سنگھ کی سلطنت کی سرحدوں کو ڈیفائن

کرنے کے لئے لداخ بھیج دیا۔ کیننگھم نے بعدازاں اپنی کتاب ''دی
لداخ'' میں اس کا جغرافیہ آب وہوا پیداوار پیڑ پودوں کو روئیداد تاریخ اور
وہاں کے لوگوں کے مذہبی حالات ورسم ورواج پوری تفصیل کے ساتھ پیش
کر لئے جس کے معتبر ہونے میں دورائیں نہیں ہوسکتیں۔ کیننگھم لکھتا ہے:

"The most striking feature in the physical aspect of Ladakh is the paralleism of its mountain ranges"

ایک اور سیاح رابرٹ سچل جنٹ ویٹ (Robert
Schelegintweit) روتانگ درے کو عبور کرکے ۱۸۵۶ء میں لداخ پہنچا
جس نے وہاں کے شاہی خاندان سے وہ دستاویز حاصل کرلی جس میں لداخ
کی مکمل تاریخ درج تھی۔ اس دستاویز کو بعد میں جرمنی سے شائع کیا گیا۔ جان
سن (Johnson) وہ پہلا انگریز ہے جسے برٹش گورنمنٹ نے لداخ کے
جغرافیائی سروے کے لئے لداخ بھیجدیا۔ اس نے وہاں انگریزوں کے گورنر
کی حیثیت سے ۱۸۷۱ء سے ۱۸۸۳ء تک کام کیا۔ ایک روسی سیاح نکولاس
نوٹووچ (Nicolas Notovitch) نے ۱۸۹۰ء لداخ کے ہمیں
(Hamis) گھمپا میں کئی مہینوں تک قیام کرکے وہاں کی بدھسٹ تحریک اور
دیگر حالات سے پردہ اٹھادیا۔ سیاحوں اور مہم جولوگوں میں ہیڈن
(Hedin) سب سے زیادہ مشہور ہے کیونکہ وہ کوہ قراقرم کے درے کو عبور
کرکے ۱۸۹۹ء لداخ کی راجدھانی لیہہ پہنچا۔ ٹیویورشی ہنودہ پہلا جاپانی شخص
ہے۔ جو ۱۹۱۳ء میں لداخ پہونچ کر وہاں کے لوگوں کے حالات قلمبند کرچکا
ہے۔

ملک تقسیم ہونے سے قبل ہی اگرچہ یورپی، امریکی اور ایشیائی سیاح

لداخ آنے میں دلچسپی ظاہر کرنے لگے تھے مگر ۱۹۴۷ء کے بعد اسے تمام سیاحوں کے لئے بند کر دیا گیا لیکن ۲۶ سال گزرنے کے بعد ۱۹۷۴ء میں اسے دوبارہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔ اس موقعہ پر لداخ میں داخل ہونے والے سیاح جاپان کے دو کوہ پیما واہیرو یمادواور مساتواوکی تھے۔ لیہہ سڑک کو سیاحوں اور دوسرے شوقین لوگوں کے لئے کھلا چھوڑنے سے قبل کشمیر کے ایک سابق وزیر اعلیٰ سید میر قاسم نے لداخ کی تصویر کھینچتے ہوئے کہا ہے:

"Ladakh enjoys a unique distinction in the country not only because of its stralagic but essentially because of its rich culture heritage. there is other place in the country where Budhism still exists in the same undistorted form as its does in Ladakh.

لداخ کے قرون سابقہ کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سرگیال (Sargyal) نے لداخ اور تبت سلطنت قائم کرلی تو یہاں کے تاریخی ریکارڈ کی کڑیاں ۴۰۰ سال قبل مسیح کے ساتھ جڑ جاتی ہیں۔ نی اتھی چن (Ni-athi-chem) وہ دوسرا حکمران تھا جس نے لداخ میں تھائی (Thi) حکمران خاندان کی سلطنت قائم کرلی جبکہ چی لک (Chi-lic) بادشاہوں اور اتھویلڈ (Utho-ylde) حکمرانوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ گیلپو (Gyalpo) نے اپنی حکومت ۳۳۳ء میں قائم کرلی۔ اس خاندان کا سب سے مشہور بادشاہ شوو انگ۔ چن۔ از۔ گمپو (Showang-chen Izghimpo) تھا جو ۶۵۰ء میں برسر اقتدار آیا، وہ علم وادب کا زبردست مربی تھا اور اس نے دوسرے ملکوں کے ساتھ تعلقات بھی استوار کر لئے۔

خاص لداخ کی تاریخ اس دور سے شروع ہو جاتی ہے جبکہ وہاں لہچن (L a h-C h e n) خاندان کی حکومت قائم ہوئی۔ لہچن نروپ گن (Lah-Chen-Naroop Gun) کے دور حکومت میں لداخ کے مشہور بدھسٹ صحیفے کئے گئے جن کو کان گر (Kangur) کہا جاتا ہے۔ اس لہچن نروپ گن کا بیٹا گیلپو رینچن ۱۳۲۴ء میں کشمیر کا حکمران بنا اور مشرف بہ اسلام ہو کر سلطان صدرالدین کے نام سے مشہور ہوا۔ وہ کشمیر کا پہلا مسلمان بادشاہ سمجھا جاتا ہے۔

تبت کو چھوڑ کر لداخ کے حکمرانوں کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے کتاب کے مصنف کہتے ہیں:

"The ruling dynasty of the Ladakh kings was founded by Nima-gon, who came to power in 975 AD. He extended his kingdom for and wide and defeated the invading hordes from central Asia & established his capital at shay near Leh. Before his death he divided his kingdom amongst his three sons. His eldest son became the ruler of proper Ladakhy. He deputed Losava Rin-Chen-Zangpo to Kashmir for collection of religions books.

اس کے بعد اس خاندان کے ناک لگ (Nag-Lug) تاشی گن چسپال نورب گن اور دوسرے بادشاہوں نے مدتوں لداخ پر حکومت کی اور ۱۴۷۵ء میں نمگیال نام کا حکمران خاندان برسر اقتدار آچکا۔

مرزا حیدر دوغلات نے ۱۵۳۱ء میں لداخ پر حملہ کیا مگر واپس جا کر کشمیر

پر قابض ہوا۔ اور یوں نمگیال خاندان سولہویں صدی عیسوی میں دوبارہ برسراقتدار آچکا۔ ۱۶۹۵ء میں ڈیلڈن (Daldan) نمگیال اقتدار حاصل کر چکا جس کے عہد حکومت میں ڈوگرہ کمانڈر زوراور سنگھ نے لداخ پر حملہ کرلیا اور بعد میں لداخ ۱۸۴۰ء باضابطہ طور ڈوگرہ حکومت میں شامل کرلیا گیا۔

لداخ کو اگر لاماؤں اور گمپھاؤں کا شہر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا یہاں کی تین تحصیلوں کرگل، لیہہ اور زنسکار کے ۲۴۳ چھوٹے چھوٹے گاؤں اور بستیوں میں لاما پر، اپچی، لکر، شنکر، پسی تک، شے م ہمیں تھکسے، تمسو، فلانگ وغیرہ نام کے گھمپا بہت مشہور بودھ خانقاہیں ہیں۔

لداخ کی دوسری تحصیل کرگل ہے جس کا قدیمی نام پیورک (Purk) تھا جس کا مطلب ہے ٹیوب یا نلی۔ چنانچہ کرگل قصبہ ایک لمبے ٹیوب کی شکل کا ہے۔ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ماقبل تاریخ ایک بڑی جھیل تھی جو بعد میں سوکھ گئی۔ یہاں کے لوگوں کی زبان پرکی (Purki) کہلاتی ہے جسے تورانی زبان کی ایک شاخ سمجھا جاتا ہے۔ کرگل کے لوگوں نے اپنے گیتوں اور اپنی لوک کتھاؤں میں اپنی قدیم تاریخ اور کلچر کو محفوظ کر کے رکھ دیا ہے۔ تھائی محمد سلطان نے پیورک یعنی کرگل کو ایک طاقتور سلطنت کے طور ثابت کرلیا تھا۔

لداخ کی تیسری تحصیل زانسکار ہے جس کا قدیم نام زنگا سکھر تھا۔ اس کا مطلب ہے سفید تانبے کی جگہ۔ اس الگ تھلگ سرحدی تحصیل کے بارے میں مولفین کتاب کیا لکھتے ہیں وہ سنیئے۔

"Shepherds of Kashmir were the first settlers in Zanskar. They were followed by other tribes. Zanskar invited its first ruler from spiti. Later on entered into some sort of political alliance with Kishtwar. Mirza

Hyder Gorgan invades this aera in 1535. Later this aera came under the administrative control of Ladakhi Kings. Wazir Zorawar Singh conquered Zanskar and became a part of Jammu & Kashmir."

اس ضلع کی تینوں تحصیلوں میں وہاں کی منفرد آب وہوا کے پیش نظر جو گرم اور گندم کی فصلیں ہی اگائی جاتی ہیں اور معمولی قسموں کی سبزیاں اور ترکاریاں۔ کرگل تحصیل میں اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ جبکہ لیہہ اور زنسکار میں بودھوں کی، پولو یہاں کے لوگوں کا مخصوص اور قومی کھیل ہے۔ بھیڑ بکریوں کی کثرت کی وجہ سے اون اور پشمینہ کی دستکاریاں عام ہیں۔ ریاست کے دوسرے حصوں کے مقابلے میں یہ ضلع تعلیمی لحاظ سے پسماندہ ہی ہے اور یہاں کی تین تحصیلوں میں لوگوں کی زبان اور بولیوں میں بلتی، بودھی، تبتی، دردی، داردی، یارقندی، کلوائی، بروکیا، کشمیری، نیپالی، پنجابی اور لداخی ہے۔ یہاں کی آبادی ۵۶ فیصد لوگ لداخی بولتے ہیں ۳۷ فیصد بلتی بودھی اور تبتی اور ایک فیصد بروکیا اور کشمیری۔

"Ladakh the moon land of Kashmir is a mountainous country and has its own peculiar Charm and attraction. Pink graite contrasting with a deep blue sky, brink sunshine an d keen air and green river valleys, dotted like Oases in a vast desert, present a destination worth visiting. There is a great cultural variety among the peoples inhabiting different river valleys. This land enjoys in having preserved Budhism and its rich cultural heritage.

(ماخوذ تعبیر' دو ماہی' مئی جون ۱۹۹۹ء)
محکمہ اطلاعات جموں وکشمیر

قوس قزاح کے خدوخال

علمی، ادبی اور صحافتی ماحول میں پل کر آخر کار حمید اللہ حمیدؔ صاحب کی انتھک محنت اور مشقت رنگ لائی کہ انہوں نے قوسِ قزاح کی نام کی یہ نثری کتاب تصنیف کی ہے۔ قوسِ قزاح کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اسی لئے صاحب کتاب نے اس نام کا انتخاب کیا ہے۔ واقعی طور حمید اللہ حمیدؔ صاحب نے لداخ کے کئی علاقوں میں رہ کر وہاں کی تصویر کھینچ لائی ہے۔ جس قدر حمید صاحب نے وہاں کے جنگلوں، جنگلی جانوروں، سڑکوں، دفتروں، ہسپتالوں، چٹانوں، ندی نالوں، چراگاہوں، گھروں، انسانوں کے احوال بیان کئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ منفرد انداز میں ان کی یہ کوشش وہاں کے ثقافتی، تہذیبی، تمدنی، سماجی روایات کی عکاسی کرتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ حمید صاحب نے وہاں کی رائج الوقت زبان کے الفاظ بھی اردو میں ترجمہ کر کے ہمارے سمجھنے کے لئے آسان بنائے ہیں۔ ان کی یہ خدمت تواریخی پہلو کی حیثیت سے اُبھرتی ہے۔ آج کے دور میں جہاں ہماری تہذیبیں روز بروز بگڑتی جارہی ہیں وہاں ان کی یہ کوشش ہماری آنے والے نسل کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ اس کتاب میں جس انداز سے وہاں کی منظر کشی کی گئی ہے وہ ہمیں گھر بیٹھ کر ہی وہاں کے تہذیب وتمدن ثقافت، سماجی اور قدرتی ماحول سے روشناس کراتی ہے۔ مصنف شاباشی کے مستحق ہیں۔

عبدالرشید صدیقی

(نیلورہ پلوامہ

جنرل سیکریٹری محفل بہارِ ادب شاہورہ پلوامہ

مولانا محمد عمر لداخی کی رائے

حمید اللہ حمید صاحب نے لدخ میں تین سال ڈیوٹی دی۔ وہاں ان کو نیوما میں تعینات کیا گیا۔ انہوں نے سرکاری نوکری کے ساتھ ساتھ لکھنے پڑھنے پر اپنا وقت صرف کیا۔ تاریخ اور جغرافی میں اپنے ذوق کا ثبوت دیا۔ ان کو لکھنے پڑھنے کا بے حد شوق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے خالی وقتوں سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ مصنف نے لداخ میں ''آئینہ لداخ، رحمتِ سفر، موم کا پتھر، روٹھا پریم، تصویر لداخ میں میری زندگی'' وغیرہ کتابیں لکھیں۔ ان سے موصوف کو شہرت ملی اور شائقین نے ان کتابوں سے فائدہ اٹھایا۔

بعد میں انہوں نے قوس قزاح نامی مفید اور دلچسپ کتاب لکھی۔ یہ کتاب چنگ تھنگ کے جغرافی اور وہاں کے لوگوں کے بودوباش پر مبنی ہے۔ کتاب معلومات سے پُر ہے۔ لداخ جانے والے سیاحوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ کاش اس کا ترجمہ ہندی اور انگریزی میں ہو جائے۔ ہمارے دوست عبدالحمید حمید آئندہ اس کا خیال رکھیں گے تاکہ اس کا فائدہ زیادہ لوگ اُٹھا سکے۔ اس کتاب میں لداخی زبان پر بھی بحث کی گئی ہے اور اس کا مختصر فرہنگ بھی دیا گیا ہے۔ اس سے کتاب پڑھنے والے استفادہ کریں گے، کتاب میں تبتی رفوجیوں کے حالات زار کا بھی تذکرہ ہے۔ ہمارے دوست نے لداخ کا چنگ تھنگ علاقہ چھان مارا ہے۔ پوری تفصیل کتاب میں ملے گی۔ تمام لوگوں سے گذارش ہے کہ اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں۔ جلد از جلد کتاب خرید کر اپنی لائبریری کو سجائیں۔ میں اپنے دوست کو ایسی مفید، دلچسپ اور کارآمد کتاب لکھنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

والسلام

محمد عمر ندوی لداخی

زونل ایجوکیشن آفیسر چاڈورہ

مصنّف کا مختصر تعارف

نام: حمید اللہ حمید ذات قوم: شاہ

مذہب: اسلام جگہ پیدائش: تملہ ہال پلوامہ کشمیر

تعلیم و تربیت: آنرس اِن اُردو، خوشنویسی و آرٹ، ماس کیمونکیشن کورس، سکرپٹ رائٹنگ

ادبی علمی مقام اور کام: صدر محفل بہارِ ادب شاہورہ پلوامہ ۱۹۹۵ء سے آرگنائزر نائب صدر ڈسٹرکٹ کلچرل سوسائٹی پلوامہ ۱۹۹۸ء سے بنیادی ممبر انٹرنیشنل ایسوسی ایشن لداخ سٹڈیز ۲۰۰۳ء سے

مصنف کتب ہا:

❖ پائی وردن (کلام غلام نبی ظہور) کشمیری ۱۹۹۷ء

❖ رحمت عید ۲۰۰۱ء

❖ آئینہ لداخ ۲۰۰۶ء

❖ شائع مضامین نگارشات دیگر مکتوبات بچپن سے دوسو سے زائد سرینگر اور دہلی کے اخبارات اور جرائد میں۔ کشمیر اور لداخ کی سماجی اقتصادی ترقی پر۔

❖ ریڈیو پروگراموں میں بچپن سے شرکت صرف تیس بار

سرکاری نوکری کی پوزیشن:

۱۹۸۶ء اسسٹنٹ انفارمیشن آفیسر کولگام، ۱۹۹۱ پلوامہ، ۱۹۹۵ء سنبل سوناواری، ۱۹۹۶ء سرینگر، ۲۰۰۰ء پلوامہ، ۲۰۰۲ء نیوما (چنگ تھنگ) لداخ، ۲۰۰۵ء تحصیل پٹن، ۲۰۰۷ء ضلع آفیسر شوپیان، ۲۰۱۰ء ضلع آفیسر بڈگام ڈائریکٹوریٹ، ۲۰۱۱ء ضلع آفیسر پلوامہ، شوپیان، اننت ناگ، کولگام۔

سبکدوش ملازمت: بطور ضلعی آفیسر انفارمیشن پی آر جموں وکشمیر

گھریلو پس منظر:

والد کا نام: شاعروطن غلام نبی ظہورؔ (شاعر۔ خوشنویس اخبارات)

وفات اول مارچ ۱۹۸۲ء، عمر ۵۶ سال

دادا کا نام: مقبول شاہ نوری (فارسی عربی عالم)

وفات ۱۹۳۱ء عمر ۵۰ سال

چاچانام: محمد طیب شاہ (درویش پیر فقیر لاولد)

وفات: ۷ جنوری ۲۰۱۷ء (عمر ۸۷ سال)

شریک حیات: میمونہ بیگم

اولاداں: چار۔ شوکت حمید (صحافی، سینیر ایڈیٹر)

بلال حمید کاروبار

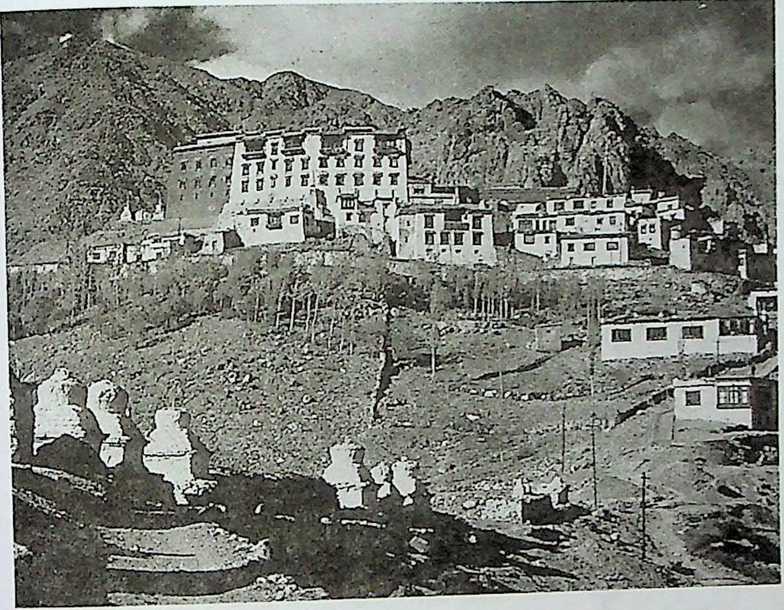
طارق حمید (مدرس اسلامی دارالعلوم سرینگر)

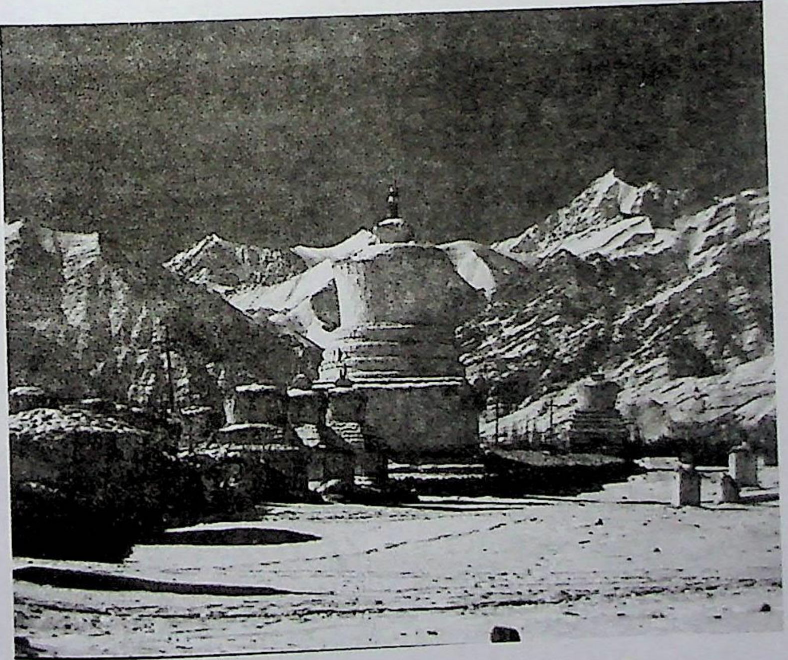
حمیرہ حمید (زیر تعلیم)

فاطمہ شوکت (پوتی) زیر تعلیم

عائشہ شوکت (پوتی) زیر تعلیم

کچھ یادیں: تصویروں کی زبانی



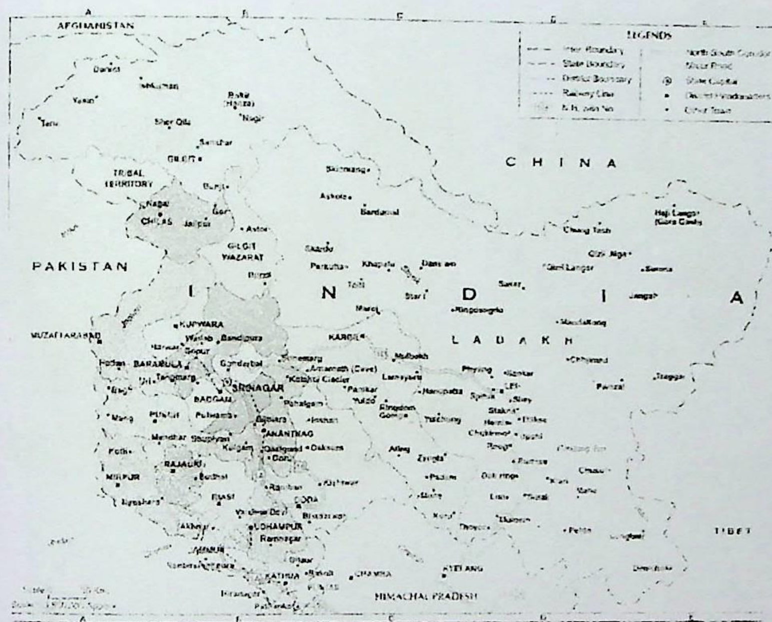




MEMBERS OF I.A.L.S.C OF THROUGH OUT WORILD PARTSPARTING IN THE 11 TH. CONFRENCE 5 DAYES AT LADDKH.



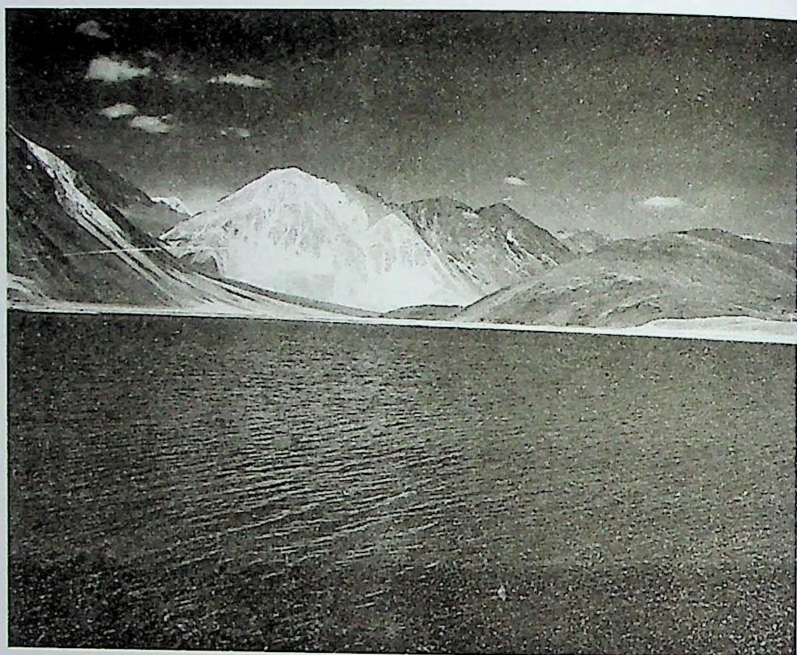
MEMBERS OF I.A.L.S.C OF THROUGH OUT WORILD PARTSPARTING IN THE 11 TH. CONFRENCE 5 DAYES AT LADDKH.



MAPE OF SUB DIVISION CHANGTHANG DISTRICT LEH LADAKH (J&K) INDIA



SOURCES BY HAMID / PADMA /SANJAY/ SURINDER SINGH/ DATE DECEMBER 2004







WORLD HIGHEST OBERVARTURY CENTER STARTING YEAR 2001-





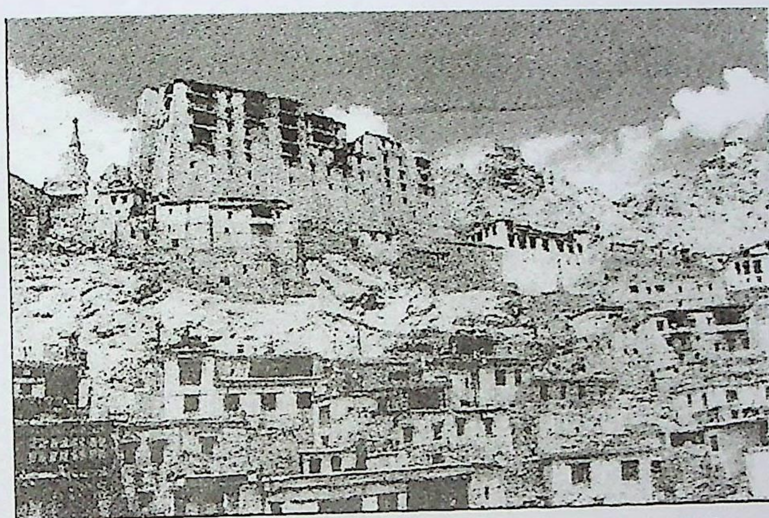








LECTURE DELIVERD IN CONSFRANCE OF INTERNATIONA
LADDKH STUDIES AT CHAJLUMSIR



Leh Palace



KASHMIRIOFFICERS ON DUITY SEEN EDGE NYOMA MOUNTIAN . ASHOK ,SATIESH KOUL ,HAMID ,YOUSIF AND NAZIR SEEN

حمید اللہ حمید جنوبی کشمیر کے اُن قلمکاروں میں سے ہیں جنہوں نے اردو نثر کی خدمت پچھے تیس سالوں سے کی ہے۔ اُن کی کتاب آئینہ لداخ، لداخ کے ٹوپوگرافی، تہذیب وتمدن کی ایک خاصا عکاسی کی ہے۔ دراصل حمید اللہ حمید محکمہ اطلاعات میں فرائض منصبی کی ادا[illegible] کے دوران مختلف علا[illegible]ت کی جغرافیائی تہذیبی اور تمدنی حالات [illegible] چکے ہیں [illegible] وجہ سے انہوں نے ان تجربات کو قلمبند کر کے [illegible] میں محفوظ [illegible]

[illegible]رحمان فدا

حمید اللہ حمید کی قوس قزاح نامی [illegible] کتاب منظر عام [illegible] ہے۔ یہ کتاب چنگ تھنگ کے جغرافی اور وہاں کے لوگوں کے بودو باش پر [illegible] ہے۔ کتاب معلومات سے پُر ہے۔ لداخ جانے والے سیاحوں کے لئے بے حد مفید ہے۔ ہمارے دوست نے لداخ کا چنگ تھنگ علاقہ چھان مارا ہے۔ پوری تفصیل کتاب میں ملے گی۔ تمام لوگوں سے گذارش ہے کہ اس کتاب سے بھرپور استفادہ کریں۔

محمد عمر ندوی لداخی

علمی، ادبی اور صحافتی ماحول میں پل کر آخر کار حمید اللہ حمید صاحب کی انتھک محنت اور مشقت رنگ لائی کہ انہوں نے قوسِ قزاح کی نام کی یہ نثری کتاب تصنیف کی ہے۔ قوسِ قزاح کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ اسی لئے صاحب کتاب نے اس نام کا انتخاب کیا ہے۔ واقعی طور حمید اللہ حمید صاحب نے لداخ کے کئی علاقوں میں رہ کر وہاں کی تصویر کھینچ لائی ہے۔ جس قدر حمید صاحب نے وہاں کے جنگلوں، جنگلی جانوروں، سڑکوں، دفتروں، ہسپتالوں، چٹانوں، ندی نالوں، چراگاہوں، گھروں، انسانوں کے احوال بیان کئے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے

عبدالرشید صدیقی